مولانا عبداللہ عباس ندوی

تاریخ تدوینِ سیرت

سیرتِ نبوی سے متعلق ابتدائی تاریخ کا تذکرہ
اور مضامینِ سیرت کا اجمالی خاکہ

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد الہند

مولانا عبداللہ عباس ندوی

تاریخ تدوینِ سیرت

سیرتِ نبویؐ سے متعلق ابتدائی تاریخ کا تذکرہ
اور مضامین سیرت کا اجمالی خاکہ

دارالعلوم سبیل السّلام، حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بار اول

۱۴۲۴ھ ═══ ۲۰۰۳ء

نام کتاب : تاریخ تدوینِ سیرت (تاريخ تدوين السيرة النبوية)

نام مصنف : ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی

صفحات : ۲۰۸

کمپوزنگ : حامد خوشنویس (مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ)

تعداد : گیارہ سو

قیمت : Rs: 100/=

ناشر

دار العلوم سبیل السلام، مدینۃ العلم، حیدرآباد

DARUL ULOOM SABEELUS SALAM
MADINATUL ILM, HYDERABAD,50005
Ph: 0091- 40-24440450- Fax : 24441835
Email : Marhaba@hd2.dot.net.in

ملنے کے پتے:

- المکتبۃ الندویہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ
- ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان، حیدرآباد
- کتب خانہ عزیزیہ، نئی دہلی
- زکریا بکڈپو، دیوبند، یوپی پن کوڈ 247554

فہرست

باب سوم

ضمیمہ

☆☆☆

نگاہِ اوّلیں

ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو نبی آخرالزماں کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی نبوت تمام حد بندیوں سے بالاتر ہے، کوئی زمانہ، کوئی دور، کوئی ملک اور کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے کہ وہاں نبیؐ آخرالزاں محمد ﷺ کا نور نبوت نہ پہنچتا ہو، اس کی تائید میں قرآن کی متعدد آیتیں اور خود نبی کریم ﷺ کی بہت سی حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن ''عیاں راچہ بیاں'' کے پیش نظر یہاں اس کی ضرورت محسوس نہیں کی جارہی ہے، بس اتنا سمجھ لیجئے کہ

پرچمِ دینِ مبیں جب شاہِ دیں لے کر اٹھے
آپؐ کا عالَم میں ہر سو بول بالا ہوگیا

جب نبی آخرالزماں ﷺ کی نبوت کی یہ ہمہ گیر اور عالمگیر حیثیت ہے، تو آپؐ کی ٦٣ رسالہ ناسوتی زندگی کا مضبوط و مستحکم ریکارڈ ہونا ہی چاہئے تھا، اور خالقِ کائنات نے مختلف انداز سے اس کا انتظام فرمادیا، آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو محفوظ ہونے سے رہ گیا ہو، خلوت اور جلوت، رزم اور بزم، صلح اور جنگ کے تمام تر حالات اور شب و روز کے معمولات کچھ اس طرح زنجیری تسلسل کے ساتھ بیان ہوتے چلے آرہے ہیں کہ کہیں سے کوئی کڑی نہ غائب ہوئی ہے اور نہ ہی کمزور پڑی ہے، بلکہ تاریخی دلائل و شواہد یہ بتاتے ہیں کہ ہر دن جب وہ طلوع ہوتا ہے، تو آپؐ کے سلسلہ کے جو تاریخی حقائق ہیں وہ مضبوط ہی ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ

قیامت تک جاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی اور فارسی زبانوں ہی میں نہیں جو آپؐ کے دور کے اعتبار سے قدیم اور معروف سمجھی جاتی ہیں، بلکہ ہر علاقہ اور ہر ملک کی قابلِ ذکر زبانوں میں آپ کے ذکرِ جمیل کے جلوے نظر آتے ہیں، اور "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کی قرآنی تعبیر کی تشریح ملتی رہتی ہے۔ آپؐ کی محبت کیوں کہ جزوِ ایمان ہے، اس لئے آپ پر ایمان لانے والوں نے اس موضوع سے اپنے بے پایاں شغف اور والہانہ تعلق کا ایسا اظہار کیا ہے کہ دوسری شخصیتوں کے بارے میں ایسی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے، یہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی پکار اٹھے ہیں:

انوارِ بے شمار معدود نہیں
رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام
وہ امتِ اسلامیہ میں محدود نہیں

آپؐ کی ذات گرامی چوں کہ منبع علم و عرفان ہے اور قرآن حکیم سرچشمۂ ہدایت ہے، اس لحاظ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت اپنی کتاب قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ (آپؐ کے اقوال، اعمال، احوال) کی حفاظت کا سامان فرمایا اور پھر اپنے اپنے دور کے اصحابِ فکر ونظر اور عشاق رسولؐ کو یہ توفیق وسعادت بخشی کہ مانوس اور معروف تاریخی ترتیب اور انداز سے آپؐ کی سیرت کی تدوین کے کام کی بنیاد ڈالیں، اور اس بنیاد پر بعد میں آنے والے لوگ اپنے مزاج وذوق کے اعتبار سے آپ کی سیرت پر مضامین تیار کرتے رہیں، گویا غیبی نظام کے تحت کچھ لوگ اٹھے تو انہوں نے تدوینِ قرآن کے کام کو انجام دیا، بعض لوگ سامنے آئے تو تدوینِ حدیث کا موضوع اپنے لئے منتخب کیا، قرآن وحدیث کی روشنی میں قانونی طور پر مستنبط کئے ہوئے احکام ومسائل کو "فقہ" کا نام دیا گیا اور بہت سے حضرات نے تدوین فقہ کی

تاریخ مرتب کردی، ظاہر ہے کہ احادیث مبارکہ میں آپؐ کی پوری زندگی کی جھلک ہر حیثیت سے آگئی ہے تاہم ضرورت تھی کہ تاریخی اعتبار سے تدوینِ سیرت پر بھی کام کیا جائے، اس موضوع کو بھی اہل تحقیق نے تشنہ نہیں چھوڑا، اور قافلہ در قافلہ اس مقدس موضوع کے لئے تیار ہوتا چلا گیا۔

زیرِ نظر کتاب کے بلند نگاہ اور وسیع المطالعہ، حُبِّ نبویؐ سے سرشار مصنف حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندوی دامت برکاتہم (پیدائش ۱۳۴۴ھ) نے اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں میں اپنے لئے تدوینِ سیرت کی تاریخ کا عنوان منتخب فرمایا اور واقعہ یہی ہے کہ اس موضوع پر ان کی یہ کتاب بصیرت افروز اور چشم کشا ہے۔ وہ لوگ جو سیرت نبویؐ کا مطالعہ علم و تحقیق کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے اس کتاب کی حیثیت بلا شبہ چراغِ راہ کی ہے۔ مصنف کے ہم وطن مشہور زمانہ صاحب قلم مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ (۱۳۱۰۔۱۳۷۵ھ) نے اردو میں ''تدوینِ حدیث'' لکھ کر کارنہیں کارنامہ انجام دیا تھا، اب ان کے بعد مصنف نے اردو میں ''تدوینِ سیرت'' لکھ کر اس زبان کو حسن و جمال اور وقار و اعتبار بخشا ہے۔ اور اس کتاب کے ذریعہ ان کی عظیم تاریخی کارکردگی سامنے آئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا نے بڑی محنت، عرق ریزی اور باخبری سے اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے، کتاب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس موضوع کے مراجع اور ماخذ پر ان کی گہری نظر ہے، مختلف زبانوں پر عبور نے بھی ان کی اس کتاب کی اہمیت اور حیثیت کو نہایت نمایاں طور پر اُجاگر کیا ہے، سیرتِ نبویؐ کے موضوع سے خصوصی تعلق رکھنے والوں کے لئے یہ نرالی، انوکھی اور دلچسپ کتاب نئی راہ سے آشنا کرے گی، نئے گوشے کھلیں گے، ذہن کو شگفتگی ملے گی، روح کو بالیدگی اور ایمان و یقین کو تازگی۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم

ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے اپنے ''مقدمہ'' میں اس کتاب کا تعارف فاضلانہ اور دیدہ ورانہ انداز میں کرایا ہے، اس مقدمہ یا تعارف کی حیثیت ''کلیدِ کتاب'' کی ہے، جس کے مطالعہ کے بعد اس کتاب کی اہمیت مزید واضح ہوتی ہے۔

چند سال پہلے دارالعلوم سبیل السلام نے حیدر آباد نے خطباتِ سیرت کے لئے مصنفِ کتاب کو دعوت دی تھی اور انہوں نے یہاں سات خطبات دیئے جو اہلِ علم اور اصحابِ ذوق کے حلقوں میں کافی مقبول ہوئے اور یہ تمام خطبات ''پیغمبر اخلاق وانسانیت'' کے نام سے دارالعلوم سبیل السلام نے قدر دانوں تک پہنچایا۔ اس کتاب کے بعد دوسری بار اس ادارہ کو مولانا کی زیرِ نظر کتاب شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، موضوع کی قدر و قیمت اور کتاب کی اہمیت کے پیش نظر مجھے امید ہے کہ یہ کتاب بھی مولانا کی دوسری کتابوں کی طرح شوق کے ہاتھوں لے جائے گی اور قدر کی نگاہوں سے پڑھی جائے گی۔

میں مولانا کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد کو اس وقیع کتاب کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کے طاقتور اور شگفتہ بیاں قلم کو ہمیشہ تر و تازہ رکھے اور صحت و عافیت کے ساتھ ملتِ اسلامیہ پر ان کے سایۂ عاطفت کو دراز فرمائے۔ یہ بھی دعاء ہے کہ سیرت کے اس سدا بہار موضوع کا نفع عام ہو اور مصنف، ناشر اور معاونین کا یہ اشاعتی عمل بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبول حاصل کرے۔

آج سے چند سال پیشتر راقم الحروف نے پیغمبر عالم ﷺ کی سیرت پر ''اردو میں کتابیں'' کے عنوان سے ایک مضمون سپردِ قلم کیا تھا جو مصنفِ کتاب کی نظر سے گزرا۔ ایک خط میں تذکرہ فرمایا کہ آپ اپنے اس مضمون کو کسی حیثیت سے میری کتاب ''تاریخ تدوین سیرت'' میں شامل کر لیجئے، تعمیلِ حکم کے طور پر زیرِ نظر

کتاب کے آخر میں یہ مضمون بطورِ ضمیمہ شامل کیا گیا ہے (صفحہ ۱۹۳ تا ۲۰۷) اس سے موضوع کا ایک دوسرا رُخ سامنے آئے گا، اور سیرتِ نبویؐ کے مقدس موضوع پر تحریروں اور کتابوں کے مسلسل اضافہ سے یہ ثابت ہوتا رہے گا کہ:

اک نامِ مصطفیٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں
ورنہ ہر ایک عروج میں پنہا زوال ہے

۳؍رجب ۱۴۲۴ھ
مطابق یکم ستمبر ۲۰۰۳ء

محمد رضوان القاسمی
ناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

☆☆☆

اظہارِ تشکر و امتنان

یہ ایک مختصر رسالہ "تاریخ تدوینِ سیرت" پر قلم بند کیا گیا تھا قارئین کی معلومات اور سیرۃ النبیؐ سے قلبی، ذہنی وابستگی بڑھانے کی خاطر اخلاق و شمائل کے ایک گوشے پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تعالیٰ جل شانہ سے روحانی تعلق، عبادت میں یکسوئی، اسی کی ذات پاک پر ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں بھروسہ، اس سلسلہ کی آیات واحادیث کا اضافہ کردیا گیا۔

اس کتاب کی اشاعت دارالعلوم سبیل السلام مدینۃ العلم، حیدرآباد کی طرف سے ہورہی ہے جس کے لئے مؤلف حضرت مولانا محمد رضوان قاسمی کا شکر گزار ہے۔

آیات واحادیث کے مسودہ پر عزیز مکرم مولانا محمد خالد غازیپوری، استاذ حدیث (دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے نظر ثانی کی خدمت انجام دی۔ جزاہ اللہ خیرا۔

فاضل دانشور امین الدین شجاع الدین صاحب رئیس التحریر "تعمیر حیات" نے اس کی کمپوزنگ میں سہولتیں بہم پہنچائیں، میرے ذاتی معاون مولوی محمد ارشد یزدانی مجھ سے املا لے کر صاف حروف میں نقل کرتے رہے، حضرت تھانویؒ نے تقویٰ اور "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کے ترجمے سیاق وسباق کی روشنی میں کس طرح کیے ہیں اس کے متعدد نمونوں کی ضرورت تھی اس کو مولوی فرمان سلّمہ نے پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اعزہ واحباب کی کوششیں قبول فرمائے۔

عبداللہ عباس ندوی

مقدمہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد ، وعلى آله وصحبه أجمعين ، أما بعد :

زیرنظر کتاب "تاریخ تدوینِ سیرت" سیرتِ نبویؐ کے موضوع پر ایک نئے طرز کی اور مفید ترین انداز کی کتاب ہے، یہ جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی (أطال الله بقاءه) کی سیرت نبویؐ کے موضوع پر پانچویں کتاب ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانائے محترم اس موضوع سے کتنی خصوصیت رکھتے ہیں، اور یہ موضوع بھی ایسا ہے کہ ہر مسلمان کو دل سے زیادہ عزیز ہے، اس سے تعلق رکھنے سے نہ صرف یہ کہ قلب کو تسکین ملتی ہے بلکہ زندگی کے سدھار میں بنیادی مدد ملتی ہے، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ تعالی نے ۶۳ سال اس دنیا میں رکھا، اتنی طویل مدت جس میں آپ کو ہر طرح کے حالات سے گذرنا پڑا، رب العالمین نے کیسے اپنے حبیب کو ان حالات سے گذارا، درحقیقت انسانوں کے لئے اس طریقہ سے قیامت تک کے لئے ایک اعلی نمونہ مہیا کرنا تھا جس کو انسان اپنی فلاح و بلندی کی طرف بڑھنے کے لئے بطور مثال اپنے سامنے رکھے، جو اس برگزیدہ نبوی شخصیت کے اوصاف عالیہ و کریمہ پر مشتمل ہے، جن کی جتنی نقل کر سکے نقل کرے، یہ نمونۂ زندگی خدا کی طرف

سے انسانوں کے لئے بلکہ سارے عالموں کے لئے نعمت و رحمت بنا کر انسانوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس کے لئے اللہ تعالی نے اپنے حبیب کو ان تکلیفات اور ذمہ داریوں میں رکھا جن سے آپ اپنی ۶۳ سالہ زندگی کی شعوری و عملی مدت میں گذرے۔

مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کا عربی زبان و ادب اور علوم قرآنیہ سے شروع سے تعلق رہا ہے، اس کی بناء پر ان کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ اس اہم موضوع کو اپنی تصنیف و تالیف کے لئے اختیار کریں، اور اپنے اردو داں طبقہ کو ان پہلوؤں سے آشنا کرائیں، جن سے آشنائی کے لئے قرآن و سیرت کے وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے، مولانائے محترم کا یہ ایک عظیم کام ہے اور ان کا حسن ذوق ہے کہ انہوں نے اس اہم موضوع کو اپنا موضوع خاص بنایا، وہ ندوۃ العلماء میں عربی زبان و ادب کے اعلی استاد رہے ہیں، اور مکہ مکرمہ کی یونیورسٹی میں بھی تعلیم و تدریس کا فرض انجام دیا ہے، ندوۃ العلماء سے ان کا علمی سرپرستی کا تعلق ہے، وہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم ہیں، اور علوم عربیہ و علوم دینیہ سے ان کو برابر خصوصی شغف ہے، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے شروع دور سے علمی استفادہ اور دینی تعلق و محبت رکھتے رہے ہیں، وہ ادب کا اعلی ذوق رکھتے ہیں، خواہ وہ ادب عربی ہو یا ادب اردو ہو یا ادب فارسی ہو، اور سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والے کے لئے عربی ادب کے ذوق کی خاصی ضرورت ہے، اس طرح ان کو سیرت نبویؐ سے خصوصی ربط ہوا، اور نبی اعظم رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت ہر مسلمان کے لئے اہم موضوع ہے، اس کے لئے ایک مسلمان کو جو بھی ممکن ہے وہ کرنا چاہئے، اور سیرت نبویؐ وہ موضوع ہے جس کے حالات و واقعات کا قرآن مجید سے خصوصی ربط ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات و اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "کان خلقہ القرآن" کہ آپ کے

اخلاق وصفات قرآن مجید سے ہیں، یہ جملہ ہے تو بہت مختصر لیکن بہت پُر معانی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشو ونما کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے خصوصی انتظامات ہوئے، آپ اللہ تعالیٰ کے گھر کعبۂ مشرفہ کے شہر مکہ مکرمہ میں اس کے منتخب ترین باشندوں کے خاندان میں پیدا ہوئے، اس کے بعد شہری زندگی کی کدورتوں سے ہٹا کر قریب کے اچھے دیہات کی صاف وسادہ فضا میں بھیج دیئے گئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کی صحت وخوبی کے تذکرہ میں فرمایا کہ "ولدت في قريش و نشأت في بني سعد "یعنی میں مکہ میں پیدا ہوا اور بنوسعد میں پروان چڑھا، ایسے ماحول میں نشو ونما ملنے کے ساتھ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے اخلاق فاضلہ عطاء کئے کہ آپؐ کے دیکھنے والے اور ملنے جلنے والے آپؐ کے صفات و اخلاق کے برملا قائل ومعترف ہوتے تھے، صدق گوئی، امانت داری، غریب پروری، مصیبت زدہ کی مدد، کمزور کی معاونت آپؐ کی وہ صفات تھیں جن کا اعتراف آپؐ کے ملنے والوں نے بارہا کیا۔

پھر چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو نبوت ملی، اور کلام الٰہی کا آپؐ پر نزول ہونے لگا، اور آپؐ کو اس کے معجزانہ اسلوب وحکیمانہ رہنمائی سے مسلسل واسطہ پڑنے لگا، جس کے ذریعہ آپؐ کی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں سے تعلق رکھنے والے حالات میں اللہ رب العزت کی ہدایت اور تربیت کا سلسلہ برابر جاری رہا، ان سب اسباب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان واعتماد علی اللہ، اخلاق وکردار، عزم و حزم، حوصلہ وہمت، ہمدردی وانسانیت نوازی کے اعلی معیار کا حامل بنادیا، اور آپؐ کی حیات طیبہ کو انسانی زندگی کے بلند ترین اور حسین ترین معیار کا نمونہ بنادیا، اور خود رب العالمین نے فرمادیا کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَاللّٰهَ كَثِيْرًا"

"تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے، ایسے شخص کے لئے

جو اللہ سے اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو، اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہو"

اللہ تعالی نے اپنے اس خاص و برگزیدہ اور سب سے محبوب بندہ کو صرف ایک اعلی و افضل نمونہ ہی نہیں بنایا بلکہ اس کے حالات و واقعات کو انسانوں کے استفادہ اور نقل کے لئے جاوداں بھی بنا دیا، اپنے کلام کو جو بصورت قرآن ہے باقی و جاری کر دیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و صفات کو بتانے والا ہے، اور پھر انسانی زندگی کو سدھارنے اور مالک حقیقی اور خالق کی مرضی سے جوڑنے کے لئے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و ہدایات ایک عظیم نعمت کے طور پر انسان کو عطاء کی گئیں، انسانی زندگی جتنی ان سے وابستہ اور قریب ہوگی اتنی ہی وہ درست اور اشرف المخلوقات کی عظیم قدروں کے مطابق ہوگی، اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی پہلی آیت میں فرمایا ہے:

" ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ ٥

(یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہہ کی بات نہیں ہے،

یہ اپنے پروردگار سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ورہنمائی ہے،

جو کہ بے دیکھی بات پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں،

اور ہم نے جو مال دیا اس سے وہ خرچ کرتے ہیں۔"

اور دوسری جگہ یہ فرمایا:

"وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ، وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ

فَانْتَهُوا"
(رسول تم کو جو دیں اس کو تم اختیار کرو، اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ"۔

اس طرح قرآنی تعلیمات اور اس کے ساتھ اللہ کے رسول کی بتلائی ہوئی باتیں مسلمان کی زندگی کے لئے رہنما ہدایات قرار پائیں، جو مسلمان کی زندگی کے لئے زادراہ ہیں، چنانچہ عصر اول کے رہبران علم و دین نے قرآن وحدیث دونوں کی روشنی سے لوگوں کی زندگیوں کو منور کرنے کی علمی و عملی کوششیں کیں، اولاً قرآن مجید کو قیامت تک کے لئے محفوظ کیا، اور اس سے استفادہ کو آسان بنایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور اخلاق وصفات کو کتابوں کی شکل میں مدون کیا، چنانچہ سیرت نبویؐ پر ہر دور میں بکثرت کتابیں لکھی گئیں، ان کو اہل ایمان نے اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنایا، اس طرح سیرت پر ایک علمی خزانہ جمع ہو گیا جس میں تنوع بھی ہے اور بسط و تفصیل بھی ہے، یہ ایک اہم اور مفید ترین موضوع کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اس سے استفادہ کے لئے رہنمائی کی بھی ضرورت ہے، اور مختلف علماء نے اس سلسلہ میں رہنمائی کا فرض انجام دیا ہے۔

پیش نظر کتاب اسی سلسلہ کی بڑی اہمیت اور افادیت کی حامل کتاب ہے، اس میں ایک طرف تو سیرت پر لکھی گئی اہم کتابوں کا تعارف اور ان کی اپنی اپنی اہمیت کی وضاحت بھی کی گئی ہے، اور اس کے ساتھ سیرت نبویؐ کے اہم گوشوں کو علمی و اصلاحی طریقۂ کار کے مطابق واضح کیا گیا ہے، اور حیات نبویؐ کے خصوصی اوصاف کا تعارف علمی تشریح کے ساتھ کرایا گیا ہے، اس طریقہ سے یہ سیرت نبوی کی ایک نئے ڈھنگ کی کتاب بن گئی ہے، جو اس موضوع پر ایک خاص چیز ہے۔

مصنفِ کتاب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی (بارك الله في حياته)

قرآنیات اور ادبیات عربی کے استاد رہے ہیں، اور اس پر تصنیفی کام بھی کیا ہے، ان کی الفاظِ قرآنی پر انگریزی زبان میں ڈکشنری بھی ہے، جو بڑی مقبول ہوئی، کتب تفاسیر میں جو مختلف زبانوں میں کام ہوا ہے ان کا جائزہ بھی انہوں نے ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے، قرآن مجید کے الفاظ اور تعبیرات کی جو بلاغت ہے اس سے بھی بڑے فاضلانہ انداز میں اپنے طلبہ اور خوشہ چینوں کو فائدہ پہنچایا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ سیرتِ نبویؐ کی خصوصیات کو بھی انہوں نے موضوع بنایا، اس موضوع پر ان کی کئی کتابیں اس سلسلہ میں قارئین کے لئے استفادہ کا ذریعہ بن رہی ہیں، اسی زمرہ میں یہ کتاب بالکل تازہ تازہ قارئین کو حاصل ہو رہی ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اس سے سیرتِ نبویؐ کے شائقین اور مستفیدین بہت فائدہ اٹھائیں گے، اور یہ اس موضوع کے ذخیرۂ کتب میں ایک قیمتی اضافہ ثابت ہوگا۔

میں اس پر نہایت قدردانی کے الفاظ پیش کرتا ہوں، اس کی قبولیت اور نافعیت کا مجھے یقین ہے، میں مولانا کے اس عمل کی مقبولیت عندالناس اور قبولیت عنداللہ کے لئے دل سے دعاء گو ہوں۔

محمد رابع حسنی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۶/۶/۱۴۲۴ھ
۱۵/۸/۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

الحمد للّٰہ والصّلوۃ والسّلام علیٰ رسول اللّٰہ، ومن اتبعہ و والاہ، اما بعد

عرصہ دراز سے میری خواہش تھی کہ سیرۃ النبیؐ کی ''ببلو گرافی'' تیار کروں اوراس کے لئے کچھ تیاریاں بھی کیں، قاہرہ کے دارالکتب المصریہ اور ریاض کے مکتبہ الفیصل العلمیہ کے کیٹلاگ حاصل کئے ان کی زیروکس کاپیاں جمع کیں، ان کے علاوہ جن مصادر کی نشان دہی ''موسوعہ نضرۃ النعیم'' میں کی گئی جس کو اکتیس علمائے تاریخ وحدیث نے ڈاکٹر صالح بن حمید کی زیرنگرانی جمع کیا ہے۔ ان سب پر نظر ڈالنے کے بعد اندازہ ہوا کہ قلمی اور غیر قلمی کتابیں اٹھارہ ہزار سے کم نہیں ہیں جن میں ایک بڑی تعداد کے کیٹلاگ کی زیروکس کاپیاں مکہ مکرمہ میں میرے پاس موجود ہیں۔ لیکن خود میری رائے بدل گئی اور محسوس کیا کہ سیرت کے واقعات ایک ہی ہیں اور ان کو اٹھارہ ہزار یا اٹھارہ لاکھ مرتبہ لکھا جائے تو بھی بات ایک ہی رہے گی اور فہرست میں تو صرف عربی اور چند فارسی واُردو کی سیرت پر ایک بڑی تعداد اُن کتابوں کی ہے جو مسلمانوں میں بولی جانے والی زبانوں میں موجود ہیں خاص طور پر عربی اور فارسی

کے بعد سب سے زیادہ بڑی مقدار میں اور متنوع انداز میں کتابیں ترکی زبان میں ہیں، مزید چائنا، تھائی لینڈ، فلپائن، اور انڈونیشیا میں کثرت سے مسلمانوں نے حصول برکت کے لئے اور اپنے لوگوں کی خاطر ان کی زبان اور لہجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو نقل کیا ہے، جن سے واقفیت عظمت نبویؐ کو بڑھاتی ہے، محبت پیدا کرتی ہے اور دعوت اسلامی کے پھیلنے کا ایک بہترین ذریعہ پیدا ہوتا ہے لیکن جہاں تک مضامین سیرت کا تعلق ہے اس میں کوئی اضافہ نہ ہوا، اور نہ کیا جاسکتا ہے، غیر مسلموں میں مستشرقین اور یہودی معاندین نے کافی رنگ آمیزی کر کے اپنے عناد کو الفاظ میں منتقل کیا ہے ایسی کتابیں بھی سیکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہیں، علامہ پروفیسر حمید اللہؒ نے مستشرقین کا جواب دینے کے لئے فرنچ میں سیرت پاک پر ایک کتاب لکھی ہے جس کے ترجمے جرمن اور انگلش میں ہو چکے ہیں، ابھی حال ہی میں عراق کے ایک فاضل ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے سیرت پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان "سیرت کی صحیح ترین کتاب" ہے، مدینہ منورہ کے دولت مند دانشور سید حبیب مرحوم نے بعض قلمی کتابوں کے اعادۂ طبع تحقیق کا انتظام کیا ان کتابوں میں بھی چند مراجع کے ایسے حوالے ہیں جن کی فہرست بہت مختصر ہے اور مضامین سیرت کی تقسیم اس طرح ہے کہ وہ کتابیں جن میں نبوت کی تصدیق اور دلائل ہیں جن کو عربی میں "دلائل النبوۃ" اور 'اعلام النبوۃ' کہتے ہیں، اور کچھ کتابیں شمائل میں ہیں اور کچھ کتابیں فضائل میں ہیں ان کی فہرستیں چند کتابوں میں ملیں، اور الحمد للہ ان سے استفادہ کی توفیق حاصل ہوئی۔

یہ عاجز کسی 'ببلوگرافی'' کو جمع کرنے کی ہمت نہ کر سکا نیز یہ بات دل ودماغ کو متاثر کرنے لگی کہ ہمارے بھائیوں کو کتابوں کا نام سننے سے کوئی علمی فائدہ نہیں ہوگا، اور نہ کسی کو یاد رہے گا اس کے بجائے مختصراً تعارف تاریخ تدوین اور قابل اعتبار

کتابوں کے نام یکجا کرنے کی کوشش کی اس کے بعد یہ خیال آیا کہ سیرت پاک کے دو اہم حصے ہیں ایک کا تعلق دعوت دین، اصلاح بشر اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدے کو پھیلانے سے تعلق رکھتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامے سبھوں نے دیکھے صرف اہلِ ایمان نے نہیں، کفار نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ سیرت پاک کے وہ اجزاء جن کو آنکھوں سے دیکھا گیا ہے ان کو ہم مدرك بالابصار کہیں گے، آپؐ کی سیرت پاک کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے یکسوئی کا تعلق، خشوع وخضوع کا تعلق، توکل اور ابتہال کا تعلق، اخلاص اور تقویٰ کا تعلق سب وہ صفات ہیں جن کا دلوں کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، ہم عربی میں اس کو کہیں گے "مدرك بالبصائر" یہ دوسرا حصہ بھی فہرست کی شکل میں پیش کیا جاسکتا تھا، لیکن یہ محسوس کر کے کہ سیرت نگاروں نے ان کو مختلف جگہوں پر اور متفرق مقامات پر کسی واقعہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے مگر ابواب کی شکل میں ذکر کرنے کی طرف کم توجہ دی ہے، اس لئے سیرت کے بحر ذخار سے چند قطرے عقیدت وفدائیت کے آبگینہ میں پیش کرنے کی ہمت کر رہا ہوں۔

والتوفیق من اللہ نعم المولی ونعم النصیر

بندہ عاجز وناتواں

عبداللہ بن عباس ندوی

باب اول

- عرب اور علمِ تاریخ
- سیرۃ النبی کے مآخذ و مصادر
- سیرۃ النبیؐ کی تدوین
- اوّلین سیرت نگار
- سیرۃ النبیؐ پر اہم کتابیں اور دستاویزات

عرب اور علمِ تاریخ

تاریخ تدوین سیرۃ النبیؐ اور ابتدائی سیرت نگار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عربوں کے پاس کوئی تاریخی دستاویز نہیں تھی، اور تاریخ سے ان کا واسطہ ان قصوں اور افسانوں تک محدود تھا جو انھوں نے اپنے بڑے بوڑھوں سے سن رکھے تھے، یا جن کو پیشہ ور قصہ گو دہرایا کرتے تھے، ان قصوں اور واقعات میں زیادہ تر جنگی کارناموں، شجاعت اور دلیری کے واقعات ہوا کرتے تھے بلکہ امام سیوطی کے بقول صرف جنگی کارنامے بیان کئے جاتے تھے۔ اور ان کا یہی تاریخی سرمایہ تھا۔ (۱) طبقات ابن سعد میں سچائی، وفاداری، اور پڑوس کی حفاظت کی داستانیں بھی تاریخ کے موضوعات میں داخل تھیں۔ تاریخ ابن ہشام میں تاریخی مواد کو کافی وسعت دی گئی ہے۔ بعثت نبوی سے پہلے کے واقعات وار ہاصات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں انھیں میں بیت اللہ کی بارش سے منہدم ہونے کے بعد تعمیر، زمزم، جُرہم اور دوسرے گھرانوں کے واقعات جہاں قبائل کی سربراہی پائی جایا کرتی تھی۔ (۲)

عربوں کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ (حضرت رسول کریمؐ) محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے۔ جو اس صدی کی ہر مجلس، ہر

---

(۱) بغیۃ الوعاۃ ج ا ص ۱۱۸ ط دار الکتب لبنان بیروت ۱۹۵۸ م

(۲) طبقاب ابن سعد ج ۳ ص ۱۲۵ المکتبہ العلمیہ مصر بحوالہ مقدمہ مصطفیٰ سقاء مقدمہ ابن ہشام طبع جدید مصر

اجتماع (نادی) کا موضوع تھا، قصّے نقل کیے جاتے، قصوں میں رنگ بھرا جاتا، قصے تصنیف کیے جاتے، اور کسی واقعہ سے متعلق قصے گڑھتے پھیلاتے، اور لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی سازش کرتے، اور موافقین (مومنین) کوئی حدیث سنتے تو اس کے روشن مضامین صدق و پاکیزہ بیانی کے ساتھ نقل کرتے۔ اور دونوں مل کر عرب قوم کے کتب خانوں کو تاریخ کے موضوع پر ایک سرمایہ فراہم کرتے تھے۔

بعثت نبوی کے بعد اہل ایمان کی قربانیاں اور اہل کفر و نفاق کی بدزبانیاں و بدگمانیاں اور افواہیں گڑھنا کثرت سے جاری تھا۔ اور جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو اس کا رخ اور مزاج بھی وہی بن گیا جو جاہلیت میں قصوں کے سنانے کا انداز تھا۔ بہادری، شجاعت، اپنی قوم کی وفاداریاں، دوسری قوم کی غداریاں، زبانیں اپنا کام کر رہی تھیں جن سے ''سیرت'' کا خزانہ تیار ہو رہا تھا، اور جنگی کارناموں کی داستانیں اپنی جگہ جمع ہو رہی تھیں۔ جو مغازی کا موضوع بن گئیں۔

خلفائے راشدین کے زمانے تک سیر و مغازی پر مرتب کام نہیں ہوا سب کو قرآن کی فکر تھی، اس کی ایک آیت یا ایک حرف بھی ضائع نہ ہونے پائے اور اپنی جگہ سے کوئی نقطہ یا شوشہ، کوئی حرکت زبر زیر اور پیش نہ بدلے۔ صحابہ کرامؓ کی سب سے بڑی مہم یہی تھی کہ قرآن کریم کی کتابت ہو۔ اس کو لوگ یاد کر لیں۔ عجمی اثرات سے اس کی ہر آیت محفوظ رہے (۱) قرآن کے علاوہ اگر کسی موضوع پر ان کی توجہات مرکوز ہوئیں تو وہ علم نحو کے ابتدائی اور ضروری قواعد تھے جس کی ضرورت ان لوگوں کو زیادہ تھی جو دوسرے ملکوں اور دوسرے ماحول سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

سیرۃ ابن ہشام کے مقدمہ نگاروں کا بیان ہے کہ جب حضرت معاویہؓ کو حکومت ملی تو انھوں نے تاریخ میں ایک کتاب مدوّن کرنے کا عزم کیا۔ اور اس غرض

---

(۱) بغیۃ الوعاۃ للسیوطی

سے عبید بن شریہ کو صنعاء (یمن) سے بلایا جنھوں نے پرانے زمانے کے بادشاہوں اور اس زمانے کے لوگوں کے حالات جمع کیئے (۱) حضرت معاویہؓ کی ثقافتی خدمت کے بعد تاریخ عرب کا رُخ بدل گیا، جس نے بھی لکھا صرف سیرۃ النبیؐ کو اپنا موضوع بنایا۔ بقول ابن سید الناس کہ تاریخ نویسی کا خاص الخاص دروازہ کھلا، اس خوف سے کہ سیرت و احادیث کے اجزاء قرآن کریم سے مخلط (گڈمڈ) نہ ہو جائیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک یہ سلسلہ بند کرادیا تھا، پھر جب اطمینان ہو گیا کہ اب قرآن پر کوئی شخص حرف نہیں لگا سکتا اور نہ کم کرسکتا ہے تو آپ نے اجازت دے دی۔ (۲)

سیرۃ النبیؐ کے مآخذ و مصادر

سیرۃ النبی کا اولین مصدر، سب سے زیادہ معتبر اور قابل عظمت قرآن کریم ہے، جس میں بعثت نبویؐ سے پہلے نہ صرف عرب بلکہ بنی نوع آدم کے ادوار و اطوار کا بھی ذکر ہے، بعثت نبویؐ کے بعد دعوت اسلامی کے جملہ مراحل غزوات اور اہل ایمان کے لئے ہدایت، آداب معاشرت، آداب دین اور آداب اخلاق موجود ہیں، اس کو سمجھنے اور اس سے سبق لینے کے لئے تفاسیر کا ذخیرہ ہمارے سامنے ہے جن میں شان نزول کی تفصیل ہے اور جو قرآن کریم کے مختصر مگر بلیغ آیات کا مفہوم واضح کرتے ہیں اور وہی سیرت نبویہ کا دوسرا ماخذ و مصدر ہے۔ اور اسی سے سیرت نبویہ کی تمام جزئیات معلوم ہوئی ہیں جس میں ان امور کی تفصیل ہے جن کو قرآن کریم نے ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں کہ جس سے معلوم ہوگا کہ قرآن کریم کے بعد احادیث نبویہ سے استفادہ ضروری ہے جن کو مفسرین نے شرح و

---

(۱) تاریخ الأدب العربی لجرجی زیدان بحوالہ المغازی سیرۃ ابن ہشام ۱۹۴۱ء

(۲) سیرۃ النبی لابن اسحاق تحقیق عبدالحمید الواہی ص ۲۵

بسط کے ساتھ بیان کردیا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر صحابہ کرامؓ میں سے تین حضرات جہاد میں شریک نہیں ہوسکے ان کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح وارد ہوا ہے۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا ط حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ ط (التوبہ:۱۱۸)

"ان تینوں شخصوں (کے حال) پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب (ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ) زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی، اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔"

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ط إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

(التوبہ:۱۱۸)

"بجز اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے (اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے) پھر ان (کے حال) پر (بھی خاص) توجہ فرمائی تاکہ وہ (آئندہ بھی) رجوع (رہا) کریں۔"

اب یہ تین حضرات کون تھے، اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا، اور کتنے عرصے تک وہ زیرِ عتاب رہے، یہ تمام تفصیلات احادیث نبویہ سے مل سکتی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب المغازی" میں ان تفصیلات سے متعلق احادیث کو نقل کیا ہے اور شیخ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے فتح الباری میں اس کو مزید شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قرآن کریم میں سیرت نبوی

کے اکثر و بیشتر اجزاء وارد ہو چکے ہیں جن کا تعلق قرآن کریم کے مقصد ہدایت کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت، آخرت پر ایمان اور رسول کریمؐ کی صداقت پر مذکور ہیں وہ سب قرآن کریم میں موجود ہیں، ان کی تفصیلات احادیث نبویہ سے حاصل ہوئی ہیں، جو تمام علوم کے لئے قرآن کے بعد مصدر ثانی کا درجہ رکھتی ہیں، اور جن سے کوئی مؤرخ یا دینی احکام کو جاننے والا مستغنی نہیں ہو سکتا۔

خاص سیرت نبوی سے متعلق مباحث یا واقعات جس میں رسول کریمؐ کا زمانہ مکہ مکرمہ جہاں آپؐ کی پیدائش ہوئی اور جہاں آپؐ کی زندگی کے ترپن (۵۳) سال گذرے اس کی نوعیت آپؐ کی پیدائش، آپؐ کے اسماء، آپؐ کی رضاعت، آپؐ کا نسب نامہ، آپؐ کے قبیلہ قریش کا نسب نامہ اور اس کے فضائل، آپؐ کے اسلاف کا ذکر، آپؐ کے آباء و اجداد کے کارنامے، آپؐ کے والدین کا تذکرہ، آپؐ کے ننہالی بزرگوں کے حالات، آپؐ کے اعمام کا ذکر، رسالت سے پہلے آپؐ کی زندگی کے حالات، بعثت نبوی کا واقعہ، وحی کا نزول، شعب ابی طالب میں محصور ہونا، حبشہ کی پہلی اور دوسری ہجرت، بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ، ہجرت نبوی، مسجد قبا کی بنیاد، مسجد نبوی کی تعمیر، انصار و مہاجرین کی مواخاۃ، غزوات و سرایا، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، حجۃ الوداع اور وفات یہ تمام تفصیلات ہمیں سیرت کی ان کتابوں سے حاصل ہوئی ہیں جن کی بنیاد روایت پر ہے اور انہی کو ہم قرآن کریم کے بعد اب سیرت نبویہ کا معتبر ترین ماخذ قرار دیتے ہیں۔

سیرۃ النبیؐ کی تدوین

عہد نبوی میں سیرت نگاری کا کام نہیں ہوا، کیونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں اگر احادیث نبویہ کو بھی لکھا جاتا تو خلط ملط ہو جانے کا امکان تھا۔ یہ کام سب سے پہلے دوسری صدی میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وقت سے شروع ہوا جبکہ قرآن اور

احادیث کے الفاظ میں اختلاط پیدا ہونے کا شک نہیں رہا اور قرآن سیکڑوں سینوں میں محفوظ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی توجہ سے صحیفہ میں منضبط کیا جاچکا تھا۔

صحابۂ کرام اور سیرۃ النبیؐ سے متعلق احادیث پر توجہ

صحابہ کرامؓ میں جن بزرگوں نے سیرت نبویؐ سے متعلق احادیث پر خصوصی توجہ دی، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، البراء بن عازب، عبداللہ بن عمرو بن العاص، انس ابن مالک، جابر ابن عبداللہ، رضی اللہ عنہم نمایاں ہیں، صحابہ کرام کی زندگی میں سیرت نبویہ کی متفرق یادداشتیں لکھی گئی تھیں مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا کہ وہ تحریری سرمایہ مشکوک ہے جبکہ ان سے نقل کردہ روایات جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں اس میں شک کی گنجائش کم ہے کیونکہ یہی ایک ذریعہ تھا جس سے وفات نبویؐ کے ڈیڑھ سو برس بعد احادیث جمع ہوئی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وقت سے باقاعدہ کتابت کا سلسلہ شروع ہوا اور تابعین میں جن حضرات نے خاص توجہ دی اور جن کی روایات تحریری شکل میں موجود ہیں ان میں درج ذیل حضرات ہیں:

تابعین اور تدوین سیرۃ النبیؐ

۱ عروۃ بن زبیر بن العوام (م ۹۴ھ) جو ایک جلیل القدر صحابی کے صاحبزادے ہیں۔ اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء اور محدثین میں شمار کئے گئے ہیں وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ اسماء ذات النطاقین کے صاحبزادے ہیں، وہ اپنی خالہ حضرت اُم المومنین کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے ان کی روایات بخاری و مسلم کے علاوہ سنن و مسانید اور معاجم اور تفسیر و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ عروۃ بن زبیر کی جمع کردہ روایات کو حسن بن عثمان الزیاری (م ۲۵۳ھ) اور ابوالاسود نے مرتب کیا ہے آخر الذکر یعنی ابوالاسود کی روایت پر مشتمل

صحیفہ کو ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے اپنی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۱ھ میں شائع کیا ہے۔

۲ حضرت اَبان بن عثمان (م ۱۰۵ھ) ایک محدث قابل اعتبار تابعی تھے، اب وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سیرت پر ایک دفتر تیار کیا تھا۔ خاص طور سے غزوات کے بیان کو شرح وبسط سے ذکر کیا، لیکن افسوس کہ ان کا وثیقہ نایاب ہوگیا ان کے نام میں ابن عثمان بن عفان ہونے کی وجہ سے کچھ لوگوں کو شبہ ہوا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے صاحبزادے تھے۔ صلاح الدین المنجد نے اپنی کتاب "معجم ما ألف عن رسول الله ﷺ" میں ان کا نام أبّان ابن عثمان البجلی لکھا ہے۔ اور معجم الادباء میں ان کے وثیقہ کا نام "المبتدأو المبعث والمغازی والوفات" "لأبان بن عثمان البجلی" لکھا ہے لیکن یہ اوراق مفقود ہیں۔ "الروض الأنف" میں اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کر کے عبدالحمید نے لکھا ہے کہ برلین کے کسی کتب خانہ میں چند اوراق ملے ہیں مگر وہ بھی شائع نہیں ہوئے یا ممکن ہے عبدالحمید صاحب کو شبہ ہوا ہو۔

۳ عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۱۹ھ) ایک محدث اور ثقہ راوی ہیں جو حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں ان سے علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں بے شمار حوالے نقل کئے ہیں ان کی کتاب مغازی پر مشتمل ہے اور اس پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔(۱)

۴ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ) یہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے آخر عمر میں شام چلے گئے، جہاں مستقل اقامت اختیار کی، یہ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے سیرت سے متعلق احادیث کو جمع کیا، اور وہ اپنے وقت کے بڑے محدث تھے، علماء جرح وتعدیل نے ان کو ثقہ ترین عالم قرار دیا ہے انھوں نے ہر روایت کے ساتھ اسناد

(۱) ان کی روایت کردہ احادیث فتح الباری کے کتاب المناقب، کتاب المغازی میں علامہ ابن حجر العسقلانی نے نقل کیا ہے نیز دار الکتب المصریہ میں ایک قدیم نسخہ موجود ہے۔

کو بھی جمع کیا ہے اور واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اس کی سندیں ترتیب میں خلل نہیں ڈالتیں۔ ان کی روایتیں صحیحین کے علاوہ مجامع ومسانید میں بھی مذکور ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ ابن شہاب کی بیان کردہ احادیث پر اعتماد کریں، اس لئے کہ ان سے زیادہ سنت کو جاننے والا اس عصر میں کوئی نہیں ہے۔ شیخ شہاب الزہری پہلے بزرگ ہیں جو حضرات تابعین میں سیرت نگاری کی نعمت سے مشرف ہوئے اور انہی کی مرتب کردہ کتاب ابن اسحاق کی ترتیب کا اولین مآخذ ہے، ان کے بعد حضرت موسیٰ بن عقبہ کا نام آتا ہے۔

۵ ان کے بعد ابن حزم کا نام آتا ہے۔ جن کا پورا نام عبداللہ بن اُبی بکر بن عمرو بن حزم ہے ان کی وفات ۱۳۵ھ میں ہوئی۔ ثقہ محدث قرار پائے اور وہ امام مالکؒ کے شیخ ہیں، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں ابن اسحاق اور طبری نے ان سے روایت کی ہے۔ فتح الباری میں ابن حجر نے ان کی روایت کو قبول کیا ہے، اور ان کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن اُبی بکر نے ان مکتوبات کو جمع کیا ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان وقت کو دعوت دین دینے کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ عبداللہ بن اُبی بکر وہ ہیں جن کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہدایت کی تھی کہ سنت نبوی کو مرتب کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچے، اور انھوں نے غزوات کو مکان وزمان کے لحاظ سے ترتیب دیا۔

۶ موسیٰ بن عقبہؒ (م ۱۴۱ھ) ایک ثقہ محدث ہیں اور امام زہریؒ کے تلامذہ میں معتبر درجہ رکھتے ہیں۔ امام مالکؒ نے ان کی کتاب ''المغازی'' کی تحسین کی اور لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی بیان کردہ روایات جو مغازی سے متعلق ہیں قابل اعتبار ہیں۔ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی مرویات صحیحین کے علاوہ سنن ومسانید ومجامع میں نیز سیرت نبویؐ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی

مرتبہ کتاب بہت طویل نہیں ہے لیکن احادیث میں انھوں نے بعض مرسل روایات کو بھی داخل کرلیا ہے۔ کتاب "الدرر فی اختصار السیر" مرویات موسیٰ بن عقبہ کا اختصار ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب "أصح المغازی" پر ایک تحقیقی کام ڈاکٹر جمشید احمد ندوی نے علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایات کو اس درجہ قابل اعتماد سمجھا ہے کہ وہ اس کی اجازت دیا کرتے تھے اور دوسری روایات میں اگر کہیں اختلاف پایا گیا تو موسیٰ بن عقبہ کی روایت کو وہ ترجیح دیا کرتے تھے، ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الدرر فی اختصار السیر" میں ان مرویات کا ذکر کیا ہے۔

۷ محمد بن اسحاق بن یسار (م ۱۵۱ھ) یہ قدیم ترین اسلامی مؤرخ ہیں جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، مغازی میں ان کو امام سمجھا جاتا ہے لیکن ان کی روایات بہت حد تک مشتبہ بھی ہیں، یہ امام زہری کے مشہور تلمیذ ہیں۔ اور ان کی مرتبہ سیرت کو تدوینی دور میں پہلی کتاب قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کتاب کے ذریعہ ان کی شہرت ہوئی۔ ان کی بیان کردہ روایات صحیح بھی ہیں اور ضعیف و منکر بھی ہیں جن کے تنہا یہی راوی ہیں۔ امام مالکؒ ان کو صادق و ثقہ نہیں سمجھتے تھے اور ان کو بہت مجروح اور قابل نقد راوی قرار دیا ہے اور دوسرے مؤرخین نے زیادہ سخت الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ الزام لگایا ہے کہ بہت سے نامعلوم راویوں کے نام گڑھ لیا کرتے تھے۔ نیز ہر روایت کی سند موجود نہیں ہے۔ ابن ہشام (م ۲۱۸ھ) نے ان کی کتاب میں حذف و اضافہ اور ترمیم و تلخیص کر کے شائع کیا۔ چنانچہ ان کو ابن اسحاق کی سیرت کو استوار کرنے والا کہا جاتا ہے جس کے لئے عربی لفظ "تہذیب" ہے۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ابن ہشام نے طویل نسب ناموں اور اشعار کو حذف کیا ہے اور بعض معلومات کا اضافہ کیا ہے لیکن بایں ہمہ سیرۃ ابن ہشام میں بھی جو اشعار ہیں وہ کم

نہیں ہیں اور مشتبہ بھی ہیں مثلا جناب عبدالمطلب کی صاحبزادیوں کے مرثیے ابن ہشام نے نقل کئے ہیں جو بہت برجستہ اور طویل مرثیے ہیں اور ان کے بستر مرگ کے قریب کہے گئے تھے ان کی کوئی سند نہیں ہے، لیکن ان کی بعض خصوصیات بھی ہیں وہ یہ کہ یہ پہلے مؤرخ ہیں جنھوں نے ان صحابہ کرامؓ کا یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے جن کو نبی کریمؐ مدینہ منورہ سے باہر جاتے وقت اپنا نائب متعین کرتے تھے، حافظ ابن حجر نے ایک مستقل تصنیف میں ان احادیث کی تخریج کی ہے جن کا حوالہ ابن ہشام نے دیا ہے لیکن یہ تصنیف سامنے نہیں آئی ہے۔ اگرچہ مستشرقین نے ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان معلومات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یکجا کردیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ انھوں نے ابن اسحاق کا وہی نسخہ دیکھا ہے جس کی ابن ہشام نے تہذیب کی تھی اور جیسا کہ اوپر گذرا کہ ابن اسحاق بعض روایات بغیر سند کے ذکر کردیتے تھے اس لئے حافظ ابن حجر نے ان احادیث کا صحیح، حسن، ضعیف، کے لحاظ سے درجہ مقرر کیا ہے۔ سیرۃ ابن اسحاق کے مہذب ابن ہشام نے جابجا اپنے پیش رو ابن اسحاق کی روایات کی تصحیح کی ہے "الروض الأنف" کے مصنف علامہ سہیلی (م ۵۸۱ھ) نے بھی سیرۃ ابن اسحاق کے بیانات پر نقد کیا ہے۔

۸ الواقدی کا پورا نام محمد بن عمر، سن وفات ۲۰۷ھ ہے، ان کے علمی مرتبت کو مغازی میں درجۂ امامت سے طبقات ابن سعد نے تعبیر کیا ہے مگر یہ محدثین کے نزدیک انتہائی کمزور اور بے وزن شخصیت کے مالک تھے، اور واقعات کو مکمل کرنے کے لئے اضافہ کردینا اور اسماء کا ایجاد کرنا ان کا کام تھا۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے رسول اللہؐ کے نکاح کا واقعہ صحیح مصادر سے بیان کرنے کے بعد یہ دکھایا ہے کہ واقدی کی روایات کی بنا پر مستشرقین نے اس کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر بے جا اتہامات اور

مستشرقین کے بہتان کی تائید ہوتی ہے علامہ شبلی لکھتے ہیں:

"میں نے بیہودہ روایات (اشارہ ہے عیسائیوں کی روایت کی طرف) اپنے دل پر جبر کر کے نقل کی ہے" "نقل کفر کفر نباشد" یہی روایت ہے جو یہودیوں کا بھی مایہ اسناد ہے، لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے۔ مؤرخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ نقل کی ہے۔ جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے۔ اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتوں سے یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آئے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا:

أحببنا أن نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا نوردها۔

"کہ ہم نے واقدی کے نقل کردہ واقعہ سے درگذر کرنا مناسب سمجھا کیونکہ اس کی عدم صحت ثابت ہے۔"

بایں ہمہ واقدی کی کتاب ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے، اور جن روایات کی ابن حجر نے تائید کی ہے ان کو صحیح سمجھا جاتا ہے۔ لیکن واقدی کا ذکر "تہذیب التہذیب" میں ابن حبان کے قول کے مطابق یہی ہے کہ واقدی نئے اسماء ایجاد کر لیا کرتا تھا اور کذب بیانی اور موضوع احادیث کی تصنیف میں مشہور تھا۔

۹ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) ان کی کتاب "طبقات کبریٰ" تاریخ اسلامی پر مشتمل ہے جن کی پہلی دو جلدیں سیرت نبوی سے مزین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی، آپؐ کا نسب نامہ اور پیدائش، مدینہ اور شام کا سفر، دعوت و نبوت پہلے

حصہ میں بیان کیا ہے اور دوسرے حصہ میں سراپا اور مغازی کا بیان ہے۔
ابن سعد خود ثقہ اور معتبر محدث ہیں مگر واقدی سے جو روایتیں انھوں نے نقل کی ہیں، اس نے ان کی کتاب کا درجہ کم کر دیا ہے۔ ابن سعد نے دوسری روایتیں عفان بن مسلم، عبداللہ بن موسیٰ، الفضل بن دکین وغیرہ سے نقل کی ہیں۔ دمیاطی کو طبقات ابن سعد میں بہت اہمیت دی ہے، اور خود امام ابن حجر طبقات ابن سعد سے روایات نقل کرتے ہیں، لیکن یہ وہ روایتیں ہیں جن کا تعلق مکہ مکرمہ، وہاں کے قبائل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور رضاعت، نیز شعب ابی طالب میں محصور کئے جانے سے متعلق ہے۔

غرض ان بزرگوں کی مساعی سے سیرت پاک کا بیشتر حصہ قلم بند ہو گیا۔ امام بخاریؒ نے سیرت نبویہ سے متعلق اکثر اور اہم روایتیں جمع کر دی ہیں جو ان کے شرائطِ روایات کے مطابق ہیں۔ لیکن کتاب ''المغازی'' کے علاوہ اور ''کتاب المناقب'' کو چھوڑ کر دوسری احادیث جو سیرت سے متعلق ہیں وہ یکجا نہیں ہیں بلکہ مختلف ابواب میں اور مختلف مناسبتوں سے مذکور ہوئی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی کی شرح ایک مستقل کتاب کی شکل میں مرتب فرمادی ہے، جس میں انھوں نے دوسری مسانید اور سنن کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے نیز ان بزرگوں کی روایات بھی قابل استفادہ نظر آئیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ صحیح مسلم میں مستقل باب "الجہاد والسیر" کے نام سے موجود ہے۔ بعد میں آنے والے مصنفین نے بخاری اور مسلم کی متفرقہ روایات کو جو سیرت سے متعلق تھیں یکجا کر دیا ہے۔

سنن میں ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، نسائی میں مستقل ابواب سیرت نبویہ سے متعلق موجود ہیں جن میں بعثت اور وحی کے بعد آپؐ کے اخلاق وآداب، مغازی ومعجزات اور خصوصیات کا ذکر آیا ہے۔ لیکن بقول ناصر الدین البانی کے نہ صرف سنن

اور مسانید بلکہ صحیحین کی روایات بھی سب کی سب پوری ان شرائط کے مطابق نہیں ہیں جوان محدثین نے قائم کی تھیں، بلکہ اس میں صحیح بھی ہیں اور حَسَن بھی، ضعیف بھی اورغریب بھی۔ اگرچہ مسانید کا درجہ سیرت نبویہ کے بیان میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ سیرت کے بعض اہم واقعات جو صحیحین میں نہیں ہیں مسند احمد ابی یعلی اور مسند عبد بن حمید سے نقل کی گئی ہیں۔

سیرت نبویہ کا بیان تفسیر کے بغیر نامکمل رہے گا، اس لئے کہ تفسیر میں شانِ نزول کو اہمیت دی گئی ہے، جو سیرت کے واقعات صحیح صورت حال میں ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ساتویں اور آٹھویں صدی میں وہ علماء سامنے آئے جنھوں نے صرف مغازی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مکمل سیرت لکھی، اوران کی تصنیفات سیرتِ نبویہ کا ماخذ قرار پائیں، یہ حضرات وہ محدثین ہیں جن میں بڑے بڑے حفاظ گذرے ہیں اور جن کی ثقاہت، عدالت، قوت حافظہ، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور صحیح روایات کی حفاظت ان کی زندگی کا حاصل تھا۔ ساتویں صدی ہجری میں ابن سید الناس ابوالفتح الیعمری ۷۳۴ھ میں راہی جنت ہوئے۔ ابن کثیر اور ذہبی جن کی روایات پر ہم اعتماد رکھتے ہیں انھوں نے اپنے اسلاف میں ان بزرگوں کی اقتدا کی جو سیرت نگاری میں ناموری حاصل کر چکے تھے، اور خاص طور سے سیرت ابن ہشام اور تہذیب ابن ہشام اور بعض وہ کتابیں جو اس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھیں اور قلمی شکلوں میں متفرق مقامات پر حاصل ہوئیں ان سے فائدہ اٹھایا جیسے مغازی موسیٰ بن عقبہ، مغازی ابن عائذ، الاکلیل حاکم اور ابن سید الناس کی کتاب جس کا نام "عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر" ہے اس پر ازہر کے ڈاکٹر فضل حسن نے حال ہی میں ڈاکٹریٹ کیا ہے اس سلسلہ کی دوسری کتاب امام ذہبی کی "السیرۃ النبویہ" ہے۔

جو عالم محدث اور ثقہ تھے اور علوم معقول اور منقول میں ممتاز مقام پر فائز تھے، انہوں نے اپنی کتاب کے دو حصے کیئے ہیں، مکی زندگی کے حالات کا نام ''السیرۃ النبویہ'' رکھا ہے اور مدنی زندگی کے واقعات کو المغازی کا نام دیا ہے۔ انہوں نے صحیح بخاری اور سنن سے استفادہ کیا ہے۔ سیرت ابن اسحاق، مغازی عروۃ، مغازی موسیٰ بن عقبہ، اور مغازی ابن عائد، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، علامہ ذہبی، حافظ دمیاطی کے شاگرد تھے، لیکن ہر جگہ ان کی اقتدا نہیں کر سکے۔

''زادالمعاد فی ھدی خیر العباد'' امام ابن قیم جوزی (م ۷۵۱ھ) نے دو جلدوں میں مرتب فرمائی ہے۔ اور احکام و فوائد اور آداب کو سیرتِ نبویہ کے واقعات سے تطبیق دی ہے، یہ کتاب اپنے فن میں ایک اہم ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

'البدایۃ والنہایۃ'' مؤلفہ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) ابن حجر، امام ذہبی اور ابن العماد الحنبلی نے اس کی توثیق کی ہے، اس کا بڑا حصہ سیرت نبویہ پر مشتمل ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک مکہ مکرمہ میں پھر مدینہ منورہ میں بیان کی ہے۔ حافظ ابن کثیر عالم اور مفسر ہیں ان کی مستقل تفسیر ہے۔

سیرۃ ابن ہشام کے مقدمہ نگاروں نے ایک طویل فہرست ان تابعین کی دی ہے جنھوں نے سیرۃ النبیؐ کی تالیف میں عمریں گذاریں اور جو روایتیں انھیں حاصل ہوئیں ان کی تحقیق کے بعد اپنی یادداشتوں میں قلم بند کیں، وہی یادداشتیں اب مستقل تالیف کا درجہ رکھتی ہیں۔ انہی مصنفین کے درمیان ابن اسحاق کا نام آتا ہے جنھوں نے مغازی پر معلومات جمع کی تھیں اور ضمناً سیرۃ النبیؐ کے تمام ادوار پر روشنی ڈالی۔ ابن اسحاق کا کام تالیفی دور کا پہلا کام ہے اور بعد میں آنے والے مصنفین سیرت نے ان کا اعتراف کیا اور زیادہ تر انہی کی روایات کو نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق کی کتاب کا بڑا حصہ مغازی پر مشتمل ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا، ان کی کتاب کو ابن ہشام نے ایک مستقل

حیثیت دی، بہت سی روایات حذف کردی، جو تاریخی لحاظ سے ضعیف تھیں، اسی کے ساتھ چند احادیث کا اضافہ بھی کیا جن پر ابن اسحاق کی نظر نہیں پڑی تھی تو اس حذف واضافہ اور تنقیح وتصحیح کے بعد سیرۃ ابن ہشام نے اپنی حیثیت مستقل قائم کرلی جس کے بعد لوگوں کو سیرۃ ابن اسحاق کی تلاش ہوئی تو وہ سیرۃ ابن ہشام کے مطالعہ کے بغیر پوری احادیث کا احاطہ نہیں کرسکے یہی نہیں بلکہ سیرۃ ابن اسحاق کو دوبارہ مرتب کرنے اور اس کو شائع کرنے کی جن لوگوں نے ہمت کی وہ اکثر روایات میں ابن ہشام کا حوالہ دیتے ہیں ابن ہشام صرف ملخّص اور مہذّب ہی نہیں تھے بلکہ روایات کی تصحیح اور آیاتِ قرآنی کے شان نزول کی شرح بھی کی، لیکن اس سب کے باوجود ابن اسحاق کے سر سے اولیت کا تاج کوئی نہیں اتار سکا اور صحت میں بھی کوئی مزید اضافہ نہیں ہوا ہے۔ سوائے اس کے کہ چند روایات کو ابن ہشام نے حذف کردیا خاص طور سے وہ واقعات وحوادث جو اشعار میں تھے۔ اور سوائے چند واقعات کے انھوں نے زیادہ تر چشم پوشی سے کام لیا ہے، مثال کے طور پر سیرۃ ابن ہشام میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کی وفات ہوئی اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ سال تھی، عبدالمطلب نے اپنے انتقال کے وقت اپنی بیٹیوں کو بلایا اور وہ چھ خواتین تھیں، صفیہ، برّہ، عاتکہ، اُم حکیم البیضاء، امیمہ، اُروٰی، ان سے فرمایا کہ اب میرا آخری وقت ہے اس دنیا میں چند لمحوں کا مہمان ہوں تم بتاؤ کہ جب میری موت واقع ہوجائے گی تو تم لوگ مجھے کن الفاظ میں یاد کروگی۔ ابن ہشام کہتے ہیں ان اشعار کو کوئی اہل علم نہیں جانتا تھا۔ ابن اسحاق کی ذمہ داری پر میں نقل کرتا ہوں۔

صفیہ بنت عبدالمطلب جو سب سے بڑی صاحبزادی تھیں انہوں نے اپنا مرثیہ بارہ شعر کا برجستہ (قبل از وقت) سنایا جس کا پہلا شعر ہے۔

أرقت لصوت نائحة بليل
علی رجل بقارعة الصعيد

"میں رات ایک نوحہ گر خاتون کی آواز سے جاگ پڑی جو نوحہ کر رہی تھی ایک ایسے شخص پر جس کو ہر رہ گذر والے جانتے تھے"۔

دوسری صاحبزادی برّہ بنت عبدالمطلب نے اپنے باپ کا نوحہ چھ شعروں میں سنایا۔

أعيني جودا بدمع دُرر
علی طيب الختيم و المعتصر

(اے میری دونوں آنکھیں موتی کے آنسو بہاؤ اس شخص پر جو بڑا سخی اور شریف تھا۔)

اسی طرح تمام صاحبزادیوں نے برجستہ مرثیہ کہا، ابن ہشام نے ان اشعار کو مختصر کر دیا ہے۔

اسی طرح زمزم کھودے جانے اور قبیلۂ جُرہم کا زمزم کو بند کر دینے پر قصائد ہیں جن کی طرف اشارہ تو سیرۃ النبی ابن ہشام میں ہے مگر وہ پورے قصائد نہیں آئے ہیں جو سیرۃ النبی ابن اسحاق میں ہیں۔

سیرۃ النبی ابن اسحاق کے اصلی نسخے ناپید ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس کو دوبارہ مرتب کیا وہ ابن ہشام کا حوالہ دیتے ہیں۔

علمائے ازہر شریف میں ڈاکٹر طٰہٰ عبدالرؤف سعد اور شیخ طٰہٰ بدوی نے برلین کے کتب خانے میں سیرۃ النبی کا ایک غیر مطبوعہ نسخہ پایا جس کو تحقیق و تہذیب کے ساتھ ۱۴۱۹ھ میں مطبوعات اخبار الیوم (شعبہ ثقافہ) سے شائع کیا ہے۔ اور ان محققین کا دعویٰ ہے کہ سیرۃ ابن اسحٰق کا یہ اصل نسخہ ہے اس طباعت کے نامہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سیرۃ النبی پر یادداشت جمع کرنے والے (مصنفین) میں صف اول کے مصنفین حسب ذیل حضرات ہیں۔

- عروۃ بن الزبیر بن العوام — م ۹۳ھ
- أبان بن عثمان بن عفان — م ۱۰۵ھ
- شرحبیل بن سعد — م ۱۲۳ھ
- ابن شہاب الزہری — م ۱۲۴ھ
- عبداللہ بن أبی بکر بن حزم — م ۱۳۵ھ
- موسیٰ بن عقبہ — م ۱۴۱ھ

برلین کی لائبریری میں اس نام کی ایک فہرست ہے جس کو یوسف بن محمد بن عمر نے جمع کیا ہے اور جس میں غزوات نبویہ کی تفصیل ہے اس کا ایک حصہ ۱۹۰۴ء میں یورپ میں شائع ہوا۔

- معمر بن راشد — م ۱۵۰ھ
- محمد بن اسحاق بن یسار — م ۱۵۱ھ
- زیاد بن عبداللہ البکّائی — م ۱۸۳ھ
- الواقدی — م ۲۰۷ھ
- ابومحمد عبدالملک بن ہشام — م ۲۱۳ھ
- محمد بن سعد — م ۲۳۰ھ

اولین سیرت نگار:

سیرت نگاروں میں ابتدائی زمانہ میں چند نام بہت اہمیت رکھتے ہیں اور سیرۃ ابن اسحاق کے مقدمہ میں نیز سیرۃ ابن ہشام کے مقدمہ میں اہمیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ وہ ابن اسحاق، ابن ہشام اور سُہیلی ہیں۔ ابن اسحاق کو تدوینی دور کا اولین عالم قرار دیا گیا ہے۔ ابن ہشام نے ان کی کتاب کا اختصار پیش کیا ہے اور سہیلی نے ابن ہشام کی شرح کی ہے۔ ابن ہشام کی ایک مزید شرح ابوذر الخشنی نے کی ہے

جس کا حوالہ مصعب بن محمد بن مسعود الجیانی الخشنی کے نام سے دیا جاتا ہے۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام کی تحریر کردہ سیرتوں پر کافی کام ہوئے ہیں جیسے الماوردی کی "الأحکام السلطانیه" اور کتاب "ریحان المروج" اور اس کے علاوہ ایسے متعدد صحیفے ہیں جنھوں نے ابن اسحاق کی روایت کردہ احادیث کو بزور سند قبول کر کے مستقل رسائل لکھے ہیں۔ سر دست ہم ابتدائی چار مصنفین کے حالات کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

ابن اسحاق

ابن اسحاق کا نام اور ان کا علمی دبدبہ، شہرت وعزت، علمائے سلف کے درمیان ان کی قدر ومنزلت اور ان کے بعد پیدا ہونے والی نسلوں میں ان کا مقام، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے، اور آج بھی اہل علم کی مجلسوں میں وہ اس طرح یاد کئے جاتے ہیں جیسے ہمارے درمیان وہ زندہ ہیں۔ چل پھر رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ پاک کے فرش سے اٹھے تو عزت وسرفرازی کے عرش تک پہنچ گئے، ان کا اصلی وطن شہر کوفہ کے مغربی علاقہ کا ایک گاؤں "سبی عین التمر" تھا، یہ علاقہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۲ھ میں فتح کیا تھا۔ اور فاتح فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید تھے، ان کا پورا نام محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار ہے (۱) ان کا گھرانہ ذی علم افراد کا خاندان تھا، کہا جاتا ہے کہ ان کے دادا کو نوعمری میں نصرانیوں نے گرفتار کر کے ایک گرجا میں بند کر دیا تھا، اور ان کا مطالبہ تھا کہ ایک خاص رقم بطور فدیہ ادا کریں تو ان کو چھوڑا جائے۔

ابن اسحاق کے دادا کو مدینہ منورہ لایا گیا، جہاں وہ پلے بڑھے، اور اپنے

(۱) سیرۃ النبی ابن ہشام کی طبع جدید کے محقق اب وجد کے نام میں لکھے ہیں مگر "وفیات الاعیان" لا بن خلکان (۱۵۵) میں ابن کو ثان ابو بکر لکھا ہے۔

خاندان کی بنیاد ڈالی، ابن اسحاق مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، سن پیدائش ۸۵ھ بتایا جاتا ہے۔ وفات ۱۵۰ھ ہے مگر ابن خلکان کی تحقیق یہ ہے کہ ۱۵۳ھ سال وفات ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ابن اسحاق کا بچپن مدینہ منورہ مین گذرا اور یہیں عمر کی پختگی کو پہنچے۔ (عربی الفاظ۔ خلع بالمدينه ثوب ثيابه)

راویوں کا بیان ہے کہ وہ جوانی میں بہت خوب رو تھے، چہرے میں جاذبیت تھی، وضع قطع اہل فارس کی تھی، "درعہد جوانی چنانکہ افتدودانی" کی صورت حال سامنے تھی، امیر مدینہ سے لوگوں نے شکایت کی کہ یہ حضرت آرائش جمال میں یکتا ہیں اور..... چھیڑ چھاڑ سے گریز نہیں کرتے، امیر نے بلا کر کوڑے لگوائے اور کہا کہ حرم نبوی میں اگلی صفوں میں بیٹھا کریں مسجد کی آخری صفوں میں نہ بیٹھیں۔

ابن اسحاق نے مدینہ کو چھوڑ کر سفر شروع کئے۔ خاص طور پر مصر میں قیام کرتے نیز انہوں نے اسکندریہ کے علماء سے احادیث حاصل کیں، جن میں عبید اللہ ابن المغیر ہ، یزید بن حبیب، ثمامہ بن شفّی، عبداللہ بن ابی جعفر، القاسم بن فرمان اور شکن بن ابی کریمہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابن اسحاق ان محدثین سے روایت کرتے ہیں جنھوں نے ابن اسحاق کے علاوہ کسی کو اجازت نہیں دی۔ ابن اسحاق اسکندریہ سے نکلے تو کوفہ گئے، جزیرۂ عرب (یمن حجاز کی طرف گئے) رے، حیرہ اور بغداد کی سیاحت کی اور ہر جگہ کے علماء سے استفادہ کیا، بغداد میں آکر اقامت اختیار کی۔ خلیفہ المنصور سے ملے، اور اس کے شہزادہ المہدی کے لئے سیرت پر چند رسائل لکھے، ان علاقوں میں ابن اسحاق نے علماء سے اتنی اجازتیں نہیں حاصل کیں جس قدر خود انھوں نے اہل شہر کو عطا کیں۔

ابن اسحاق کے جہاں سیکڑوں شاگرد، قدرداں اور ان کا احترام ملحوظ رکھنے والے علماء میں وہاں ایک خاص تعداد ان کے ناقدین وحاسدین کی بھی ہے بلکہ بعض

ایسی عظیم شخصیات بھی ان کے ناقدین میں ہیں، جن کے لئے حاسد کی نسبت بے ادبی ہے کیونکہ وہ اپنی جگہ پر امام وقت اور صلاح وتقوی میں مرشد کامل کا درجہ رکھتے ہیں جیسے امام مالک بن انس، ہشام بن عروۃ بن زبیر، یہ دونوں تو اتنے سخت ہیں کہ ابن اسحاق کو زمرۂ محدثین سے خارج سمجھتے ہیں ان کی مخالفت کا سبب یہ ہے کہ ان کی بیان کردہ احادیث کی اسناد بہت کمزور ہیں اور کچھ کی کوئی سند نہیں ہے۔ سیرۃ النبی کے اس تسلیم شدہ راوی اور دور تدوین کے پہلے مصنف کی خوبیاں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کی روایات دوسرے محدثین نے قبول کی ہیں اور دوسرے ذرائع سے بھی حاصل کی ہیں۔

ابن ہشام

ابن ہشام کا پورا نام ابو محمد عبدالملک بن ایوب الحمیری ہے۔ بعض راویوں نے ان کو معافر بن یعفر کے قبیلہ سے تعلق رکھنے والا بتایا ہے۔ یہ بھی بہت بڑا قبیلہ تھا اور مصر جا کر بسا۔ اور کچھ لوگ ان کی نسبت قبیلہ ذہل سے قائم کرتے ہیں، اور کچھ لوگ بنی سدوس سے، غرض اتنی مختلف رائیں ہیں کہ تعین دشوار ہے کہ ان کا اصلی تعلق کس قبیلہ سے تھا، لیکن یہ اختلاف رائے اور ان کی تحقیقات بے سود ہیں۔ ہمیں اتنا جاننا کافی ہے کہ وہ بصرہ میں پلے اور بڑھے اور مصر جا کر آباد ہوئے، اکثر راوی اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور انہی دو شہروں کو ان کی تاریخ سے مربوط مانتے ہیں۔ سیرۃ النبیؐ ابن ہشام کے محقق مصطفیٰ السقاء لکھتے ہیں کہ اہمیت ان کے علمی کارنامے کی ہے نہ کہ خاندان اور قبیلہ کی۔ اور خاص طور سے یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ ان کے زمانہ میں حصول علم بذریعہ یادداشت اور سماعت کے ہوا کرتا تھا، اور اس کام کے لئے ایک طالب علم کا مختلف شہروں میں جا کر مختلف علماء کے آگے زانوئے تلمذتہ کرنا یا کسی حدیث کو حاصل کرنا عام تھا۔

ابن ہشام کی وفات کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک فریق کا خیال

ہے کہ ان کا ۲۱۸ھ میں انتقال ہوا، دوسرا فریق ۲۱۳ھ بتاتا ہے۔ جب وفات کے متعلق یہ اختلاف ہے جبکہ وہ سیکڑوں تلامذہ کے استاد تھے، اور ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی، تو پیدائش کا سن کیونکر غیر مختلف ہوسکتا ہے جبکہ وہ ایک نامعلوم گمنام ماں باپ کے پروردہ تھے، بہر حال مصر جاکر رہنا اور تعلیم و تعلّم میں مشغول ہونا قطعی ہے۔ ابن ہشام نحو اور لغت اور علوم عربیہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، امام ذہبی اور ابن کثیر کا بیان ہے کہ جب وہ مصر آئے تو ان سے امام شافعیؒ ملے، اور ایک نے دوسرے کو مختلف اشعار سنائے، ڈاکٹر مصطفیٰ السقاء کہتے ہیں کہ یہ بات بہت ہی عجیب وغریب ہے کیونکہ جو اشعار ابن ہشام نے نقل کیے ہیں ان کی ظاہری ہیئت بگڑی ہوئی ہے اور ان کے بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں قائم کی جاسکتی اور فن شاعری سے جو لوگ واقف ہیں ان کا یہی خیال ہے لہٰذا ابن ہشام کا شعری ذوق کوئی زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر یہ ماننا پڑے گا کہ تدوینِ سیرت کے معاملہ میں ابن ہشام ابن اسحاق سے کم نہیں ہیں۔

السہیلی

سیرۃ النبیؐ میں مشہور کتاب "الروض الأنف" کے مصنف عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن أبی الحسن الخثعمی الأندلسی ہیں۔ ان کا نسب نامہ ابن ہشام کے شارحین نے دیا ہے، ان سے حصول علم کے لئے لوگ مراکش جایا کرتے تھے، جہاں انہوں نے اپنی عمر کے آخری تین سال گزارے اور وہیں انتقال کیا۔ "تراجم اعیان العلماء" میں ان کا سن وفات ۵۰۸ھ ہے، اور اس میں بھی اختلاف ہے کوئی ۵۰۸ھ بتاتا ہے اور کوئی ۵۸۱ھ ابن عماد الحنبلی اپنی کتاب "شذرات الذہب" میں لکھتے ہیں کہ ابوالقاسم کی پیدائش ۵۰۸ھ کی ہے اور وفات ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ ابن عماد الحنبلی

نے اپنی یادداشت میں ان کا سن وفات ۵۸۱ھ لکھا ہے اور انتقال کے وقت ان کی عمر بہتّر سال تھی۔

سہیلی کی سب سے اہم تالیف "الروض الأنف" ہے جس کو سیرت ابن ہشام کی شرح کہا جاتا ہے اگرچہ دوسرے محدثین نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور سہیلی کی تصنیف کو مستقل بالذات مانا ہے۔ ان کی تصانیف کا ذکر "شذرات الذھب" میں ابن عماد الحنبلی نے کیا ہے جو اکثر اسماء الرجال اور متون احادیث نبویہ پر مشتمل ہے۔ مگر ہمارے پاس "الروض الأنف" کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نظر نہیں آئی۔

امام سہیلی ایک صوفی بزرگ، محبّ رسول اور صحابہ کے جانثار تھے، اصحاب تراجم نے ان کی ایک بہت ہی وجد انگیز مناجات نقل کی ہے جن کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں، جن سے ان کے جذبۂ دروں کا پتہ چلے گا (ناظرین نے اندازہ لگایا ہوگا کہ ہم عربی اشعار نہیں نقل کرتے کیونکہ پھر اس کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے اور ترجمہ کے بعد شعر کا حسن غارت ہوجاتا ہے، لیکن یہ اشعار مناجات وابتہالات کے ہیں اس لئے ہم اس کو تبرکاً درج کررہے ہیں)

یامن یری مافی الضمیر و یسمع	أنت المعدّ لکل ما یتوقع
یامن یرجّی للشدائد کلها	یامن الیه المشتکی و المفزع
یامن خزائن رزقه فی قول کن	امنن فان الخیر عندك أجمع
مالی سوی قرعی لبابك حیلة	فلئن رُددت فأی باب أقرع
مالی سوی فقری الیك و سیلة	وبالا فتقار الیك فقری أدفع
من ذالذی أدعو و أهتف باسمه	إن کان فضلك عن فقیرك یمنع
حاشا لمجدك أن تقنط عاصیاً	الفضل أجزل و المواهب أوسع

● اے وہ ذات پاک جو میرے قلب ودماغ کی ہر آہٹ کو سنتی اور دیکھتی

ہے اور میری تمام امیدوں کا سہارا تو ہے۔

- اے وہ ذات پاک جس سے ہر مصیبت میں امید بندھتی ہے۔ اے وہ ذات جس سے اپنے حال کا شکوہ کر سکتے ہیں اور پناہ ڈھونڈ سکتے ہیں۔
- اے وہ ذات پاک تمام رزق کے خزانے اس کے ایک قول ''کن'' میں مخفی ہیں۔ احسان کر ساری امیدیں صرف تیری ذات سے وابستہ ہیں۔
- تیرے دروازہ پر دستک دینے کے علاوہ میرے لئے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اگر یہاں سے لوٹا دیا گیا تو کس کے در پر دستک دے سکتا ہوں۔
- تیرے حضور اپنی محتاجی کا اظہار کرنے کے علاوہ کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ تیرے سامنے عرض کر کے اپنی محتاجی دور کرتا ہوں۔
- میں کس کو پکاروں کس کے نام کی رٹ لگاؤں گا، اگر تیرا فضل تیرے فقیر کو دھتکار دے گا۔
- تیری عظمت اور کبریائی سے بہت بعید ہے کہ کسی گنہگار کو محروم رکھے۔ تیرا فضل وکرم بھرپور موجود ہے۔ اور تیری بخشش ہر جگہ چھائی ہوئی ہے۔

اسی طرح کی مناجاتیں سہیلی کے کلام میں پائی جاتی ہیں جس سے ان کی صداقت، قلب کی پاکی، فکر کی بلندی، اور حوصلہ کی رفعت محسوس ہوتی ہے۔ ان کی کتاب ''الروض الأنف'' جس کو سیرۃ ابن ہشام کی شرح کہا جاتا ہے۔ دعا ومناجات کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے شغف پیدا کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

سہیلی نے درود وسلام کے متنوع صیغے ترتیب دیئے ہیں، اور فضائل درود کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے شغف کو ابھار کر دکھایا ہے، اسی لئے بعض لوگ ان کو اصطلاحی ''خوش عقیدہ'' قرار دیتے ہیں۔

ہندوستان میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حوالہ سے فضائل درود کی روایات نقل کی ہیں، ان کی عربیت میں فنی بانکپن اور ذوق کا رچاؤ بہت ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ابوذر الخشنی

ابوذر الخشنی ابن ابی بکر الرکب کے نام سے مشہور ہیں پورا نام مصعب بن محمد بن مسعود بن عبداللہ الجیانی الخشنی ہے۔ ان کے وطن اول کا ذکر جہاں ان کی پیدائش ہوئی ابن الأ باء نے اپنی کتاب "التکملہ" میں نہیں کیا ہے۔ اور نہ ابن العماد نے اپنی کتاب "الشذرات" میں کوئی حوالہ دیا ہے، اور نہ السیوطی نے "بغیۃ الوعاۃ" میں کوئی اشارہ دیا ہے۔ ان کی پیدائش اور وطن اول کے متعلق معلومات اِدھر اُدھر سے لے کر لوگوں نے جو جمع کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بزرگ خشنی جیّانی تھے حالانکہ "خُشَن" اور "جیّان" کے درمیان کافی بعد ہے "خشن" افریقہ میں ہے اور "جیّان" متعدد قصبوں کے مجموعہ کے نام سے نسبت ہے۔

اس زمانہ میں طلب علم اور حصول حدیث کے لئے جیسا کہ اوپر لکھا گیا سفر کر کے علماء کے حلقوں سے استفادہ کرنا عام تھا، صرف ابوذر الخشنی نہیں بلکہ بہتر ے علماء کا نام آتا ہے جو دار سے نکلے اور دنیا میں پھیلے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور ان کی زیر تربیت رہے۔ جب ان کے والد قرطبہ سے نکل کر غرناطہ گئے تو ابوذر بھی ان کے ساتھ تھے، لیکن والد کا انتقال اس وقت ہوا جب ابوذر الخشنی کی عمر گیارہ سال چند ماہ تھی۔ چنانچہ شیخ ابوذر الخشنی دوسرے علماء و محدثین کے حلقوں میں بیٹھتے رہے۔ جن کی تفصیل السیوطی کی "بغیۃ الوعاۃ" میں ہے اور اس کا اختصار سیرت ابن اسحاق اور سیرت ابن ہشام کے جدید ایڈیشن میں نقل کیا ہے۔

شیخ ابوذر الخشنی کو ان کے والد اور جد امجد سے زیادہ شہرت ملی اور اشبیلیہ میں

مسجد کے امام وخطیب کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ عربی زبان میں تفسیر وحدیث میں ہزاروں طلبہ کے مرجع ہوئے۔ شہرت کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے سیرۃ النبی ابن اسحاق کے غریب الفاظ اور قدیم اشعار اور ان کی پیچیدہ ترکیبوں کو حل کیا۔ یہی کام انھوں نے سیرۃ ابن ہشام میں بھی کیا۔ مصنفین سیرت میں ان کا نام سہیلی اور موسیٰ بن عقبہ کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان کی وفات ''قزوین'' (فاس) میں ۱۱رشوال ۶۰۴ھ کو ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

سیرت النبیؐ پر اہم کتابیں اور دستاویزیں

اردو میں علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہما کی سیرۃ النبیؐ جامعیت کے لحاظ سے اور تاریخی معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ اپنی مثال ہے اور جو کتابیں عربی میں موجود ہیں جیسے ''البدایہ والنہایہ'' ''طبقات ابن سعد'' امام ذہبی کی ''تاریخ سیرت'' اور ''زاد المعاذ'' ان سب میں متضاد قسم کی حدیثیں بھی موجود ہیں جو تاویل طلب ہیں۔ البتہ ۱۴۱۸ھ میں '' نضرة النعيم في مكارم أخلاق الرسول الكريم صلى الله عليه وسلم'' ۱۲رجلدوں میں (جس کی آخری جلد انڈکس پر مشتمل ہے) جس کو ڈاکٹر شیخ صالح بن عبداللہ بن حمید امام وخطیب حرم مکی (موجودہ صدر مجلس شوریٰ سعودی عرب) نے اکتیس ماہرین علوم تاریخ وانساب و سیرت کے ساتھ مل کر مرتب کیا ہے وہ سب پر فائق ہے۔ اردو میں قاضی سلیمان منصور پوری کی ''رحمۃ للعالمین'' صحت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شیفتگی اور آپؐ کی عظمت کو دل میں بڑھانے میں بہت ممتاز ہے۔ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''خطبات مدراس'' اور علامہ مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ کی ''النبی الخاتم'' جو کہ والہانہ انداز اور ٹھوس علمی حقائق کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے اور جس کی مثال کسی زبان میں نہیں ملتی۔ مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالروٴف دانا پوری کی ''اصح السیر'' ایک

متوسط درجہ کی جامع کتاب ہے۔ عربی میں عراق کے ایک استاذِ تاریخ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے سیرت پر ایک کتاب حال ہی میں لکھی ہے جس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ رطب ویابس اور ضعیف حدیثوں سے پاک صحیح واقعات پر مشتمل ہے۔

سیرۃ النبیؐ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھنے کا سلسلہ قائم ہے کیونکہ یہ وہ سیرت ہے جس سے مسلمانوں کی شہ رگ کا تار مربوط ہے۔ میں نے جو فہرست تیار کی ہے اور متعدد عناوین کے ماتحت سلسلہ وار ان اوراق کو جمع کیا ہے اس میں بھی "الروض الانف" (السهيلى) اور "البدايه والنهايه" "سيرة النبى" اور "موسوعة نضرة النعيم" سے مدد لی ہے۔

باب دوم

- مضامین سیرت

سیرت النبیؐ کی کتابوں کے اہم عنوانات

- غزواتِ نبیؐ کے اسباب وانواع
- سیرتِ پاک کے چند اہم مرکزی عنوانات

شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم

دلائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مضامین سیرت

سیرۃ النبیؐ کی کتابوں کے اہم عنوانات

سیرت نبویؐ کے ابواب کو مختصراً بھی بیان کیا گیا ہے اور تفصیل کے ساتھ بھی سیرت پاک کے مراحل بیان کئے گئے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں سیرت پاک کے مصادر اور خاص خاص افراد کی کاوشوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا، جن لوگوں نے تفصیل کے ساتھ سیرت پاک کے ہر مرحلہ کو قلم بند کیا ہے جیسے علامہ شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبیؐ میں اور ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید اور شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن الملوح نے گیارہ جلدوں میں سیرت پاک کو نئے عناوین کے ساتھ اور پوری تحقیق کے بعد جمع کیا ہے، عام طور پر سیرت پاک کے مضامین ذیل کے عناوین پر مشتمل ہوتے ہیں۔

- سیرت النبیؐ کا مطالعہ - اخلاقی تربیت کا اہم ذریعہ ہے (تمہید سیرۃ النبیؐ)
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ اور خاندانی خصوصیات
- آپؐ کے اسماء جو آپؐ کی صفات پر روشنی ڈالتے ہیں
- پیدائش
- حضرت خدیجہؓ بنت خویلد سے آپؐ کا نکاح
- الحکم الامین اور الصادق الامین کے خطابات

- اجتماعی اور مذہبی رواج جو بعثت نبوی کے متقاضی تھے جس کو "ارھاص البعثۃ" کہا جاتا ہے
- وحی کا نزول اور بعثت کی ابتداء
- دعوت اسلامی اور اس کے فکری اور معنوی گوشے
- دعوت اسلام کا وہ دور جب پوشیدگی کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا جارہا تھا
- اعلانیہ دعوت کا مرحلہ
- دعوت اسلامی کا مکہ میں اعلان
- مشرکین مکہ کا برسر پیکار ہونا اور آنحضرتؐ کو ایذا پہنچانا
- قریش کا بات چیت سے آنحضرتؐ کو مائل کرنا کہ وہ دعوت دین سے باز آجائیں
- قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترغیبات پیش کرنا (کسی بڑے عالی خاندان میں نکاح، سرداری، دولت مندی کی پیشکش)
- قریش کا دھمکیوں سے کام لینا
- حبشہ کی طرف پہلی ہجرت
- قریش کی کوشش کہ مہاجروں کو حبشہ سے واپس لے آئیں
- مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ اور ان کا شعب ابی طالب میں محبوس ہونا۔
- ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت دین کے لئے طائف جانا
- اسراء اور معراج
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنا
- بیعت عقبہ اولیٰ ۱۱ ؁ نبوی

- بیعت عقبہ ثانیہ ۱۲ نبوی
- یثرب کی طرف ہجرت
- مسجد نبوی کی تعمیر
- ہجرت کے بعد امت کی تنظیم
- دستور مدینہ کا اعلان (مہاجر اور انصار کے درمیان تعلقات کا معیار) اور اس کا قلم بند کیا جانا
- جہاد اور اسلام کا پھیلنا
- اسلامی حکومت کی تاسیس
- ہجرت نبویؐ کے بعد جہاد وقتال کا سلسلہ غزوات نبویؐ کے اسباب وانواع
- تحویل قبلہ شعبان ۲ھ

ہجرت کے بعد جہاد وقتال کا سلسلہ

اس مرحلہ میں غزوات اور سرایا کی تفصیلات ہیں جس کی پلاننگ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی ، امام ذہبی کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ سے اقتصادیات کی مرکزیت کمزور ہوگئی اور مدینہ منورہ میں جو مسلمان تھے وہ اپنی اقتصادی ضروریات اپنی جگہ پر پیدا کرنے کے لائق ہو گئے تھے، بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں کعبہ کی وجہ سے بہت سے خاندانوں کو بغیر کچھ کئے سامان معیشت میسر تھا، حجاج کو پانی پلانا، کعبہ کو صاف ستھرا رکھنا، حاجیوں کی دیکھ بھال کرنا، ان سے جائز وناجائز ٹیکس وصول کرنا، ایک طرف جائز اور موروثی ذریعہ مُعاش تھا تو دوسری طرف اشہر حرم کے علاوہ مہینوں میں جو قافلے تجارت کی غرض سے یمن سے شام کی طرف نکلا کرتے تھے اور کبھی شام سے نجران جایا کرتے تھے، ان کو لوٹ لینا بھی ایک فن تھا اور قافلہ والوں کے لئے ان سے بچ نکلنا ایک کارنامہ ہوا کرتا تھا، اور خود اہل مکہ جاڑے اور گرمیوں میں ان قبائل میں

جاتے تو کوئی ان کو نہیں ٹوکتا کیونکہ ان کی نسبت کعبۃ اللہ سے قائم تھی، اور انہی کے بارے میں آیا ہے "رحلة الشتاء والصیف" رب البیت کے احسانات کو شمار کرایا گیا ہے جس کی وجہ سے ان کو ایک طرح کی پیرزادگی کا درجہ حاصل تھا۔ مدینہ منورہ میں جب مہاجر پہنچے ہیں تو ان کے سامنے مزدوری اور جنگل سے لکڑی لاکر باہر بیچنے کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا۔ (۱)

مسلمان اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور جس دین کی خاطر انہوں نے ہجرت قبول کی تھی اس کو باقی رکھنے کے لئے قتال پر مجبور تھے، مشرک اور یہود عرب قبائل کی جنگوں کے ماہر تھے، اور جو مسلمان ہوئے وہ لوگ سیدھے سادے امن پسند شہری اللہ کا نام لینے والے اپنی ملکیت میں کچھ بھی نہیں رکھتے تھے، پھر ان کو کسبِ حلال کی پابندی تھی یہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، مکروفریب کا برتاؤ نہیں کرتے تھے، ان کا کام کسی کا گھر اجاڑنا، بستی کو برباد کرنا، اور لوگوں کے جمع کردہ خزائن کو لوٹنا، اور ان کے کھجور کے ذخیرے اور غلوں پر ناجائز قبضہ کرنا نہیں تھا۔ آپ نے اصحابِ صُفَّہ کا حال پڑھا ہوگا کہ جو جنگلوں سے لکڑی کاٹ کاٹ کر لاتے اور بازاروں میں بیچتے اور اس سے اپنا اور اپنے ساتھیوں کی روزی فراہم کرتے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا حال بھی سیرت کی کتابوں میں موجود ہے کہ وہ فاقہ سے بے ہوش ہوکر گر جاتے تھے، لوگ ان کو مرگی کا مریض سمجھ کر ان کی گردن اور پیٹھ پیروں سے دابتے، ان حالات میں جب ان پر حملے ہونے لگے اور مدینہ منورہ کی زمین تنگ کی جانے لگی تو جہاد کی ضرورت پیش آئی۔

ہجرت کے مکمل ایک سال کے بعد بارہ سفر کو غزوہ "وُدّان" مقام "ابواء" میں پیش آیا، اور یہ پہلا معرکہ تھا، یا پہلا اقدام تھا جو مسلمانوں نے اپنی دفاع کے لئے کیا، اس کے بعد عبید ابن الحارث کا "سریہ" واقع ہوا۔

---

(۱) طبقاب ابن سعد ج ۱

سیرۃ النبیؐ کے طلبہ کو معلوم ہے کہ جن جنگوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اس کو غزوہ کہا جاتا ہے خواہ وہ دفاعی ہو یا اقدامی اور اگر صحابہ کرامؓ کی کوئی جماعت بھیجی گئی خواہ تعلیم وتبلیغ کے لئے یا قتال وجہاد کے لئے اور خواہ وہ شہید ہو گئے ہوں یا غالب آ گئے ہوں تو اس کو سریہ کہتے ہیں جس کی جمع ''سرایا'' ہے۔علامہ سید سلیمان ندویؒ غزواتِ نبی کے اسباب اور انواع پر تاریخی حیثیت سے بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''غزواتِ نبیؐ کے اسباب وانواع

غزوات نبویؐ کن اسباب سے وجود میں آئے اور شارع علیہ السلام نے طریقہ قدیم میں کیا اصلاحیں فرمائیں، مؤرخین نے ''غزوہ'' کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لئے دو چار آدمی بھی کہیں بھیج دیئے گئے تو اس کو بھی انہوں نے غزوہ میں شمار کر لیا۔غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے یعنی ''سریہ'' غزوہ اور سریہ میں لوگوں کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ میں کم سے کم آدمیوں کی ایک خاص تعداد ضروری ہے سریہ میں کوئی قید نہیں،ایک آدمی بھی کہیں لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیج دیا تو یہ بھی سریہ ہے بعضوں کے نزدیک غزوہ کے لئے یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اس میں شرکت کی ہو، حقیقت یہ ہے کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہیں وہ چند قسموں پر منقسم ہے:

۱۔محکمہ تفتیش یعنی دشمنوں کی نقل وحرکت کی خبر رسانی۔

۲۔دشمنوں کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لئے پیش قدمی کرنا۔

۳۔قریش کی تجارت کی روک ٹوک تا کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو حج وعمرہ کی اجازت دیں۔

۴۔امن وامان قائم کرنے کے لئے تعزیری فوج بھیجنا۔

۵۔اشاعت اسلام کے لئے لوگ بھیجے گئے اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کردی گئی، اس صورت میں تاکید کردی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے۔

غزوات کی صرف دو صورتیں تھیں۔

ا۔دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا۔

۲۔یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کررہے ہیں اور پیش قدمی کی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لڑائیاں واقع ہوئیں یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے انہی مختلف اغراض سے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آئے تو قریش نے فیصلہ کیا کہ اسلام کو مٹادیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف ان کے مذہب کو صدمہ پہنچے گا ، دوسری طرف تمام عرب میں ان کا جو تفوق اور اثر اور مرجعیتِ عام ہے سب جاتا رہے گا اس بنا پر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں، اور دوسری طرف تمام قبائل عرب کو بھڑکایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہوگیا تو تمہاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہوجائے گی۔

بیعت عقبہ میں جب انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو ایک انصاری نے کہا برادر من! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کررہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلانِ جنگ ہے ـــــــ اور قریش نے عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا تھا کہ محمد کو وہاں سے نکال دو ، ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا اور محمدؐ دونوں کا فیصلہ کردیں گے"۔(سیرۃ النبیؐ ا/۲۳۰)

بہرحال حضرت عبداللہ ابن الحارث کا سریہ اس لحاظ سے زیادہ قابل اہمیت ہے کہ اس سریہ میں پہلی مرتبہ اسلام کا جھنڈا بنایا گیا اور جنگ کے سب سے پہلے تیرانداز سعد بن وقاصؓ تھے، گویا اسلامی تاریخ میں وہ ایک سپہ سالار یا ایک تیرانداز کی

حیثیت سے پہلے شخص شمار ہوں گے، اس کے بعد غزوہ بواط پیش آیا، اس کے بعد غزوہ عشیرہ پیش آیا، اس کے بعد سریہ سعد بن ابی وقاص پیش آیا، جو خرّار کے راستہ میں ہے، اس کے بعد غزوہ بدر صغری کا مرحلہ آیا کہ جب مدینہ منورہ پر یہودیوں نے حملہ کیا اور صحابہ نے ان کا پیچھا کر کے شہر سے باہر کیا اس موقع پر حضرت زید بن حارثہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نائب بنایا تھا اور عبداللہ بن جحش کا سریہ نخلہ کی طرف گیا، تحویل قبلہ کا واقعہ اس کے بعد ہی پیش آیا اس کے بعد وہ غزوات اور جنگیں ہوئیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

- غزوۂ بدر کبریٰ رمضان ۲ھ
- غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے درمیان اسلامی فوج کی ٹریننگ
- غزوۂ بنی قینقاع شوال ۲ھ
- غزوۂ سویق ذی الحجہ ۲ھ
- غزوۂ احد ۳ھ
- بئر معونہ کا سریّہ (وہ فوجی حملہ جس میں رسول اللہ ﷺ شریک نہیں تھے)
- غزوۂ بنی النضیر ربیع الاول ۴ھ
- غزوۂ المریسیع (بنی المصطلق) شعبان ۵ھ
- غزوۂ خندق (الاحزاب) ذی قعدہ ۵ھ
- غزوۂ بنی قریظہ ذی الحجہ ۵ھ
- غزوۂ حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ
- حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کا وقفہ
- بادشاہوں اور سرداروں کے نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطابات ۶ھ آخر
- غزوۂ ذات الرقاع

- غزوہ خیبر اور عمرۃ القضاء آخر ۶ھ یا اوائل ۷ھ
- سریہ موتہ جمادی الاول ۸ھ
- سریہ ذات السلاسل جمادی الآخر ۸ھ
- غزوۂ فتح مکہ رمضان ۸ھ
- سریہ خالد بن ولید شوال ۸ھ
- غزوۂ طائف
- صدقات اور جزیہ کی آمد و خرچ کی تنظیم
- غزوۂ تبوک سے پہلے کے سریہ اور احداث
- کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ کا اسلام لانا
- سریہ عبداللہ بن حذافہ السہمی
- غزوۂ تبوک رجب ۹ھ مطابق ۶۳۵ء
- غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے
- رسول اللہ ﷺ کے احکام کے مطابق جزیرۂ عرب کا ایک انتظامیہ کے ماتحت ہونا
- عام الوفود ۹ھ
- وفات نبوی سے پہلے کے واقعات وفود اور سرایا
- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج کرانا ۹ھ
- حجۃ الوداع ۱۰ھ
- اسامہ بن زید کو فلسطین بھیجنا ذی الحجہ ۱۰ھ
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ

یہ بہت عام قسم کے عنوانات ہیں، جن سے سیرۃ النبی کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔ سیرۃ النبی کی جامع کتابوں میں ایک طویل فہرست ہے جس کی طرف اگلے باب

میں اشارہ کریں گے۔

سعودی عرب کی مجلس شوریٰ کے صدر شیخ صالح بن عبد اللہ بن حُمید اور دارالوسیلہ کے صدر شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن الملوح نے دس ضخیم جلدوں میں صحیح روایات کو سامنے رکھتے ہوئے سیرت نبویؐ کی تالیف سرکاری طور پر مکمل کی ہے اوران میں ۱۳۱ محققین نے ایک ایک عنوان لے کر ان تفصیلات کو پورے حوالوں کے ساتھ جمع کیا ہے۔ان عناوین کے ضمن میں سیکڑوں اجزاء، فروعی مباحث نکلتے آئے اوران کو جمع کیا گیا تا کہ مسلمانوں کے لئے مکمل نظام عمل تیار ہو جائے۔

ان عنوانات کی معمولی تشریح سیرۃ النبیؐ پر تحریر کا ایک رخ متعین کرتی ہے، سیرتِ پاک کے چند اہم مرکزی عنوانات جن پر علمائے سلف نے کام کئے ہیں وہ یہ ہیں:

- شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- دلائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شمائل النبی ﷺ

شمائل النبی میں حسب ذیل کتابیں اہل قلم علماء کے نزدیک معتبر ہیں۔

- الاتحافات الربانية بشرح الشمائل المحمدية

  محمد عبدالجواد الدومی

  ط:القاهرة. التجارية بلا تاريخ

- أخلاق النبی وآدابه

  عبدالله بن محمد بن حيان (ت ٣٦٩هـ) وهو مطبوع

- أرجوزة فی الشمائل

  مصطفى بن كمال الدين الصديقی البكری (١١٦٢هـ)

  خ:ظاهرية ١١٨ سيرة

- أسن الوسائل لشرح الشمائل

  اسماعيل بن محمد العجلونی الدمشقی (١١٦٢ هـ)

  ذيل : ٨٣/١

- أشرف الوسائل الى فهم الشمائل

  أحمد بن محمد بن جعفر الهيثمی (٧٩٣هـ)

  خ:المتحف البريطانی add7471. الظاهرية ٥٠٤٧ و ٢ سيرة و ٦٢ عام الرباط الفهرس الثالث 2976. قلج علی 227 السليمانيه 262

- أقدم الوسائل فى ترجمة الشمائل

اسحاق خوجة سى احمد بن خير الدين (١١٢٠هـ)

خ: فاتح ٧١٤

- تحفة الأخبار على شمائل المختار

ابو الحسن على بن محمد الحريشى الفاسى (١١٤٢هـ)

خ: الخزانة الملكية فى الرباط ١٦٩٥

- تهذيب الشمائل

ملاعرب محمد بن عمر الواعظ (٩٣٨هـ)

هدية ٢٤٣/٢

- جمع الوسائل فى شرح الشمائل

على بن سلطان القارى (١٠١٤هـ)

خ: ظاهرية، سيرة ٥٥ فاتح ٨٤٢برلن. 9637/38

ط: القاهره ١٣١٧هـ

- حال الاصطفابشيم المصطفى صلى الله عليه وسلم

اسماعيل بن غينم الجوهرى (ق ١٢) هدية ٣٢٠/١

ثم ورداسم الكتاب فى ص ٤١٧/١ حلل الاصطفا

- الروض الباسم فى شمائل المصطفىٰ ابى القاسم

زين الدين محمد عبدالرؤف المناوى (١١٣١هـ)

وهومختصر الشمائل للترمذى مع زيادات

خ: ظاهرية ٦٦٦٤

- روضة النبى فى الشمائل

حبيب الله القنوجى (١١٤٠هـ)

حركة التأليف ٢٦٤

- زهرالخمائل على الشمائل

حافظ سيوطى (٩١١هـ) كشف ١٠٦٠

- زواهـرالأنـوار وبـواهـر الأبصار والاستبصار فى شمائل النبى المختار

يحيى بن يوسف بن يحيى الصرصرى (٦٥٦هـ)

- سيـدنا محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم : شمائله الحميده وخصائله المجيده

الشيخ عبدالله سراج الدين الحلبى

ط: دمشق . مط : الهاشمية ١٣٩٩هـ

- شـرح الشـمـائـل للترمذى ابراهيم بن محمد بن عربشاه ٩٤٣هـ

خ: ظاهرية سيرة ٥٤

- شرح الشمائل للترمذى

ملا محمد الحنفى (ق العاشر)

خ: الأزهر ٦٦٨ حديث كتبت سنة ٩٥٠هـ

- شرح الشمائل للترمذى

زين الدين محمد عبدالرؤف بن على المناوى

ط: القاهره الحلبى ١٣١٨هـ

خ: ظاهرية ٥٦ سيرة

برلن ٩٦٣٩ دارالكتب ٢٣٠٢٩

ب : جامع الشيخ ابراهيم ٣٤

- شرح الشمائل للترمذى

سلطان بن احمد المصرى المزّاجى (١٠٧٥هـ)

خلاصة الأثر ٢/ ٢١٠

- شرح الشمائل للترمذى

عبدالله الحموى الحمدونى الأزهرى (كان حيا ١١٣٣هـ)

ظاهرية، عام ٣٨٩٦

- شرح الشمائل للترمذى اسماعيل بن محمد العجلونى (١١٦٢هـ) (أسنىٰ الوسائل)

- شرح الشمائل للترمذى

محمد بن قاسم المغربى، المعروف بالحسّوس

فرغ منه سنه ١٢٠٠هـ ذيل ٢/ ٥٠٤

- شرح الشمائل

سليمان بن عمر المعروف بالجمل (١٢٠٤هـ)

ذيل ٢/ ٥٠٤

- شرح الشمائل

عبدالله نجيب العينتابى شارح الشفا (١٢١٩هـ)

ذيل ٢/ ٥٤٠. كحاله ٦/ ١٥٩

- شرح الشمائل للترمذى
  الباجورى (١٢٧٧هـ)
  وهوالمواهب اللدنية على الشمائل المحمدية
- شرح الشمائل
  محمودبن عبدالمحسن بن الموقع الدمشقى
  (١٣٢١هـ) كحالة ١٧٨/١٢
- شرف المصطفى
  عبدالملك بن محمد النيسابورى (ت ٤٠٦هـ)
- الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ
  قاضى عياض (ت ٥٤٤هـ)
  وهو مطبوع، وله عدة شروح
- الشمائل النبوية والخصائل المصطفوية
  محمد بن عيسى الترمذى (٢٧٩هـ)
  خ:برلن ٩٦٣٤.٣٥. الرباط ٦٠٩ جيدة جداً، و ٤٨٣ك. الظاهرية سيرة ٥٧. و ١٦١ و ٤٧٦٩ عام، ونسخ أخرى ط:- الآستانة ١٢٦٤هـ، القاهره ١٢٨٠هـ فاس ١٣١٠هـ كلكتة ١٢٦٢هـ
- شمائل النبى
  ابو عباس جعفر بن محمد المستغفرى (٤٣٢ هـ)
  الرسالة ١٠٥
- شمائل الرسول ودلائل نبوته وفضائله وخصائصه

ابـو الـفـداء اسـمـاعيل ابن كثير (٧٧٤هـ) اعتمد على شـمـائـل الـتـرمـذى وأضاف إليه أشياء كثيره من كتب الصحاح والمسانيد

ط:القاهره ١٩٦٧٠ بتحقيق مصطفى عبدالواحد

- الشمائل بالنور الساطع الكامل

على بن محمد بن ابراهيم الغرناطى المقرى (٥٥٢هـ)

كشف ١٠٥٩ كحالة ١٧٧/٧

- الشمائل السيد الصفوى

اختـصـره ايـضـاً ومن المختصر مخطوطه فى الظاهرية عام ٤١٩٢.

- شمائل النبى

مصلح الدين اللارى محمد بن صلاح الدين (٩٧٩هـ)

كشف ١٠٦٠

- الشمائل

عبدالأول بن على بن العلاء الحسينى الدهلوى

ثقافة الهند ٩٠

- شمائل الرسول وشخصيته الإنسانية

أنور الجندى

ط: القاهره ١٩٤٨

- شيم الحبيب فى ذكر خصائص الحبيب

الٰهى بخش (١٢٤٥هـ) حركة ٢٩٢

- صنف عين الرحمة والنور فى شمائل النبى المبرور
محمد ثابت بن عبدالله القيصرى (١٣١١هـ)
كحالة ١٤٢/٩ هدية ٣٩٣/٢
- عنوان الفضائل فى تلخيص الشمائل
محمد بن مصطفى البكرى١١٩٦هـ
ذيل : ١٢٨/٢٠
- فتية السائل فى اختصار الشمائل
محمد بن جعفر الكتانى (١٣٤٥هـ)
فاس ١٣٣١
- الفوائد الجلية البهية على الشمائل المحمدية
محمد بن قاسم بن حسوس (ق ١٢)
ط : بولاق ١٢٩٦. القاهره ١٣٠٦هـ
- كتابة على الشمائل
على بن زين الدين الأجهورى١٠٦٦هـ كحاله ٢٠٧/٧
- كشف اللثام عماجاء من الأحاديث النبوية فى شمائل المصطفى عليه الصلاة والسلام
محمد بن محمدالروضى المالكى فرغ منه سنة ١١٠٣هـ
ذيل ٣٦٦/٢
- مطالع الأنوار فى شمائل المختار
حافظ محمد بن عتيق الأزدى الغرناطى (٦٤٦هـ)
هديه ١٢٤/٢

- منية السائل خلاصة الشمائل
محمد بن عبدالحئی بن عبدالکبیر الفاسی (١٣٨٢ھ)
ط: حجر۔ فاس ١٣٢٥
خ: الرباط الخزانة الملكية ٣٠٠٦

- المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية
ابراهیم بن محمد الباجوری (١٢٧٧ھ)
ط: بهامش الشمائل ۔بولاق ١٢٧٦، ١٣٠٢... ١٣٣٠

- المواهب المحمدية بشرح الشمائل الترمذيه
سلیمان بن عمر المعروف بالجمل (١٢٠٤ھ)
کحاله ٢٧١/٤

- نظم الشمائل المحمدية والسيرة المصطفوية
عبدالحفیظ مولوی الدمشقی (طریقۂ مولویہ کے ایک شیخ تھے)
ط: فاس ١٣٢٨

- وسائل الوصول الى شمائل الرسول
یوسف بن اسماعیل النبهانی (١٣٥٠ھ)
ط: بیروت ١٣٠٩ھ ۔ ١٩٧٠ء

- الوسيلة العظمى فی شمائل المصطفى خیرالوریٰ
پیر محمد دده بن مصطفی (١١٤٦ھ)
ط: بولاق ١٣٠١ھ، ١٣٠٤ھ القاهره الحلبی ١٩٥٠

- الوفابأحوال المصطفى

ابن الجوزى حققه مصطفى عبدالواحد

- الوفا لشرح شمائل المصطفى

على بن ابراهيم الحلبى صاحب السيرة (١٠٤٤هـ)

هدية ٧٥٦

- ينابيع الموده فى شمائل النبىؐ

سليمان بن ابراهيم القندوزى.(١٢٩٤هـ)

ط: استامبول ١٣٠١هـ

خصائص النبی ﷺ

ان کتابوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات کا ذکر ہے جو پہلے انبیاء کو حاصل نہیں تھیں اور جن میں امت اسلامیہ کا کوئی فرد شریک نہیں ہے۔

- الابريز الخالص عن الفضة فى ابراز خصائص المصطفى التيفى الروضة
  عبدالرحمن بن عمر البلقينى (٨٢٤هـ)
  خ: المكتبة العامه بالرياض
- إتحاف أهل الإسلام والايمان ببيان أن المصطفى صلى الله عليه وسلم لايخلو عنه زمان
  محمد بن على بن علّان المكى (١٠٥٧هـ)
  رسالة فى خصائص الرسول صلى الله عليه وسلم
  ط: ظاهرية ٩٢٧٦
- أرجوزة فى خصائص النبى عليه السلام
  التاج السبكى (٧٧١هـ)

- أنموذج اللبيب فى خصائص الحبيب
جلال الدين السيوطى (٩١١هـ)
لخصه من كتابه الكبير فى الخصائص
خ: الرباط (819) D1100 المتحف العراق ٣٤٦٧.
الأوقاف ببغداد ٥٩٣٠
الظاهرية سيره ٤ و مجموع ١٢٥
ورقة ١٤ـدارالكتب ٢١٥٦٥ ب
حالت أفندى ٨٢٢/٢٢ـ محمد ابن سعود ١٣٣١
- الأنوار بخصائص المختار
حافظ أحمد بن حجرالعسقلانى (٨٥٢هـ)
كشف ١٩٥
- أنوار النبوة فى الخصائص
مفتى ابوالوفاء الكشميرى ثقافة الهند ٩٠
- التحريرات الرائقه فى الرّد على من أنكر بعض خصائصه عليه السلام كحياته فى قبره وصلاته فيه
محمد بن محمد المغربى الغيلانى المكى
خ:تيموريه مجاميع ١/٢٥١
- تعاليق على الخصائص النبوية
ابن الهائم احمد بن محمد (٨١٥هـ
خ:- الخالدية بالقدس، انظر مجلة المجمع العلمى بدمشق ٤١٠/٤

- خصائص سيد العالمين

يوسف بن محمد بن مسعود العبادى الدمشقى (٧٧٦هـ)

خ: ظاهرية ٩٤٥٢

- الخصائص الكبرى للنبى صلى الله عليه وسلم

محمد بن ابراهيم الرحمانى (ق١١)

خ: الأزهر ٩٠٧ حديث

- خصائص النبى صلى الله عليه وسلم وآل بيته

أبو جعفر القمّى احمد بن محمد (ق٣)

وهو مخطوط فى ميكروفيلم رقم فى مكتبة الجامعة الاسلامية ذيل ٤٣٠

- خصائص النبى صلى الله عليه وسلم

حافظ مغلطائى بن قلج (٧٦٢هـ)

خ:- الخزانة الملكية بالرباط ٣٦٥٠

- خصائص النبى صلى الله عليه وسلم

عبدالرحمن بن عمر البلقينى (٨٢٤هـ)

كشف ٧٠٦

- خصائص النبى صلى الله عليه وسلم

عمر بن على الأنصارى الوادى آشى (٨٠٤)

خ:- دارالكتب ٤٦٠ ـ كتبت سنة ٨٨٩هـ

- خصائص النبى صلى الله عليه وسلم
يوسف بن موسى المعروف بابن المسدى الأندلسى
(٦٦٣هـ) كشف ٧٠٦
- الخصائص النبوية الكبرى
حافظ السيوطى (٩١١هـ)
ط:- القاهره ١٩٦٧
- خلاصة الصفا من خصائص المصطفى (قصيده)
أحمد بن محمدبن ميمون الأشعرى المالقى
الذيل والتكملة ٥٢١/٢
- الدرالثمين فى خصائص النبى الأمين
ابن جوزى عبدالرحمن بن على (٥٩٧هـ)
هدية ٥٢٠
- الدرر البهية فى شرح الخصائص النبوية
محمد بن عمر النووى الجاوى (١٣١٦هـ)
ط:- مصر ٢٩٨
- ذكر ما أعطى نبينا محمد صلى الله عليه وسلم دون الأنبياء
ضياء المقدسى (٦٤٣هـ)
خ:- ظاهرية، مجموع ١١٠ ورقه ٢٠٤ بخط الضياء
- طرح السقط فى نظم اللقط فى خصائص النبىﷺ
حافظ السيوطى (٩١١هـ)
كشف ١١١٠

- غاية السول فى خصائص الرسول
سراج الدين عمر بن على بن الملقن (٨٠٤هـ)
طبع بتحقيق: عبدالله بحرالدين
كشف ١١٩٢

- عنوان السعادة فيما خص به نبينا قبل الولادة
- محمد بن عقيلة (١١٥٠هـ) كحالة ٢٦٤/٨
- كشف الأسرار فى خصائص سيد الأبرار
ولى الله بن حبيب اللكهنوى ثقافة الهند ٩١
- اللفظ المكرم بخصائص النبى المعظمّ
قطب الدين الخيضرى محمد بن محمد اللمشقى (٨٩٤هـ)
خ: طوب فبو (M 440)
- اللفظ المكرم بحصائص النبى صلى الله عليه وسلم
شهاب الدين أحمد بن محمد بن عبدالسلام (٩٣١هـ)
كشف ١٥٦٠
- محصول المواهب الأحدية فى الخصائص والشمائل المحمدية
خليل بن حسن الأسعردى (١٢٥٩هـ) هدية ٣٥٧/١
- المختصرمن خصائص النبى
ابوالربيع سليمان بن سبع السبى
خ:- دارالكتب ١٦٨ كتب سنة (٨٧٧هـ)

- مرشد المختار الى خصائص المختار
شمس الدين محمد بن طولون الصالحى (٩٥٣هـ)
خ:- دارالكتب ٢٣١٥ حديث بخط المؤلف
- ملاذالمستعين فى بعض خصائص سيد المرسلين
أبو حجاج بن يوسف بن موسىٰ الجذامى
ذيل ٥٥١/٢ نصح ١٤٥/٦ (عباس)
- من خصائص النبى وشمائله شعبان محمد اسماعيل
ط:- الرياص ـ دارالمريخ ١٩٨٠م
- نهاية السول فى خصائص الرسول
عمر بن الحسن بن دحيه الكلبى (٦٣٣هـ)
خ: دارالكتب ١٩٥٠٧ب و ٢١٤٩٤ب)

دلائل النبی ﷺ

دلائل نبوت پر جو کتابیں ہیں ان میں فضائل بھی ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی، ان کے نام یہ ہیں۔

- آیات النبی
  علی بن محمد المدائنی (۲۲۵ھ)
  الفہرست ۱۱۳
- الأحكام لسياق مالسيدنا محمد عليه السلام من الآيات البينات الباهرات والأعلام
  على بن محمد القطان (٦٢٨ھ)
  خ:- دارالكتب ٣١٦ حديث
- اختصار دلائل النبوة
  عماد الدين الواسطى احمد بن ابراهيم (٧١١ھ)
  فوات ٥٦/١
- الأربعون حديثا الدالة على نبوته عليه السلام (وهى الأربعون الطوال)
  حافظ ابن عساكر الدمشقى (٥٧١ھ)
  معجم الأدباء ٧٨/١٣

- أعلام النبوة
داؤد بن على الاصفهانى (٢٧٠هـ)
الفهرست (٢٧٢هـ)
- أعـــلام النبو ة أبـو داؤ د الـسـجستـانـى سـليـمـان بن الأشعث، صاحب"السنن"
فهرست ابن خير ١١٠
- أعلام رسـول الله صلى الله عليه وسلم المنزلة على رسله فى التوارة والانـجيل والزبور والقرآن وغير ذلك، دلائل نبوته من البراهين النيّره والدلائل الواضحة
ابن قتيبة، عبدالله بن مسلم (٢٧٦هـ)
خ:ظاهرية حديث ١٦٤
(ورقة ١٢٧-١٥٩) نسخة قديمه
- أعلام النبوة
أبو حاتم محمد بن إدريس الرازى (٢٧٧هـ)
خ:-معهدالمخطوطات العربية تاريخ ١٣٨٠
- أعلام النبوة
المأمون العباسى (٢١٨هـ) الفهرست ١٢٩
- أعلام النبوة
أحمد بن فارس اللغوى (٢٩٥هـ) سخاوى ٥٣٥
- أعلام النبوة فى دلالات الرسالة(٤٠٢هـ)
أبو المطرّف عبدالرحمن بن محمد ابن فطيس القرطبى
سخاوى ٥٣٦

- أعلام النبوة

أبو الحسين على بن محمد الماوردى (٤٥٠هـ)

ط:-بغداد ١٣١٩هـ القاهرة: ١٩٧١م

وقدحققه طه عبدالرؤف سعد

- أعلام النبوة

عبدالله بن عبدالعزيز البكرى الأندلسى (٤٨٧هـ)

ذيل ١/ ١٠٤

- أعلام النبوة

محمد بن عبدالله بن ظفر المكى (٥٦٥هـ)

كشف ١٢٦

- أعلام النبوة

علاء الدين مغلطايى بن قِلِج (٧٦٢هـ) سخاوى ٥٣٦

- أمارات النبوة

ابراهيم بن يعقوب الجوز جانى (٢٩٥)

خ: مختارات منه فى الظاهرية ١٠٤ مجموع،ورقة ١٦٢

- دلائل النبوة

أبوزرعة الرازى عبيدالله بن عبد الكريم (٢٦٤هـ)

سخاوى ٥٣٤

- دلائل النبوة

ابن قتيبة عبد الله بن مسلم (٢٧٦هـ)(أعلام رسول اللهّٰ)

الفهرست ٨٦

- دلائل النبوة
  ابراهيم بن الهيثم البلدى (٢٧٧هـ)
  تاريخ بغداد ٢٠٦/٦
- دلائل النبوة
  ابن أبى الدنيا عبدالله بن محمد(٢٨١هـ)
  سخاوى ٥٣٥
- دلائل النبوة
  ابراهيم بن اسحاق الحربى(٢٨٥هـ) كشف ٧٦٠
- دلائل النبوة
  ابوبكر الفريابى جعفر بن محمد(٣٠١)
  خ:-ظاهرية،سيرة ٢٧(١)
- دلائل النبوة
  ثابت بن حزم السرقسطى(٣١٣هـ)
  كشف ١٤١٨
- دلائل النبوة
  إبراهيم بن حمادبن اسحاق (٣٣٠هـ) الفهرست ٢٥٢
- دلائل النبوة
  أبوبكر محمد بن الحسن النقاش المقرى (٣٥١هـ)
- دلائل النبوة
  محمد بن احمد بن إبراهيم بن العسال(٣٤٩هـ)
  فهرست ابن خير ٣٦ سخاوى ٥٣٥

- دلائل النبوة

سليمان بن أحمد الطبرانى(٤٣٠هـ)

كحالة ٢٥٣/٤

- دلائل النبوة

محمد بن على القفال الشاشى(٣٦٦هـ)

هدية ٤٨/٢

- دلائل النبوة

عبـد الله بن محمد بن حبان الأصبهانى المعروف بأبى الشيخ (٣٦٩هـ) سخاوى ٥٣٤

- دلائل النبوة

ابن منده، أبوعبدالله محمد بن اسحاق(٣٩٥هـ)

سخاوى ٥٣٤

- دلائل النبو ة تثبيت دلائل النبو ة وهـو مطبوع بتحقيق: عبدالكريم عثمان رحمه الله

قاضى عبدالجبار المعتزلى ت:-(٤١٥هـ)

- دلائل النبوة

أبونعيم أحمد بن عبدالله الأصفهانى (٤٣٠هـ)

خ:- خدابخش بتنه ٣٣٤٦

ط:- حيدر آباد ١٣٢٠هـ

ط:-٢، ١٩٥٠م وهو مختصر،وفيه روايات كثيرة ضعيفة

- دلائل النبوة

جعفر بن محمد المستغفرى(٤٣٢هـ)

سخاوى ٣٣٥ خ:-ظاهرية ٢٧/٨١

- دلائل النبوة

أبوذرالهروى عبد بن أحمد (٤٣٤هـ)

فهرست ابن خير ٢٨٦

- دلائل النبوة

أبوبكر البيهقى أحمد بن الحسين (٤٥٨هـ)

خ:-دارالكتب ٧٠ حديث، ٢١٥ حديث، ١٠١٢ حديث كوبرولى ٧٤١ (الجزء الثالث) كوبرولى ٢٨٩ (السادس-ملا جلبى ٢٤)

وانظر -برو كلمن ٢٣١/٦

ط:-القاهره-ت سيد صقر ١٩٦٩ (٠٠٠)

ويضم احاديث صحيحة وحسنة وأخرى ضعيفة موضوعة

- دلائل النبوة

(حقق مساعد الراشد قسما منه فى أربعة أجزاءٍ- دارالعاصمة وأخرجه محمد الحداد كاملا-)

اسماعيل بن محمد التيمى الطلحى الأصبهانى(٥٣٥هـ)

- دلائل النبوة

مصعب بن محمد أبى ذرالخشنى (٦٠٤هـ)

سخاوى ٥٣٥

- دلائل النبوة

ضياء المقدسى عبدالله بن عبد الواحد(٦٤٢هـ)

هدية ١٢٣/٢

- دلائل النبوة

محمد بن حسن المعرى المعروف بالنقاش

الموصلى(٨٥١هـ) كشف ٧٦٠

- دلائل النبوة و معجزات الرسول

عبد الحليم محمود(١٩٨٠م)

ط:-القاهره ١٩٧٤م

- نجوم المهتدين ورجوم المعتدين فى دلائل نبوة سيدالمرسلين

يوسف بن اسماعيل النبهانى(١٣٥٠هـ)

ط: مصر سركيس ١٨٤١

اخلاق النبی ﷺ

اخلاق النبی پر درج ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

- السیرۃ للشامی
  سبیل الھدیٰ والرشاد القاھرہ
- سیرۃ الرسول
  محمد عزت دروزہ طبع ثانیہ بیروت ۱۹۶۵ء
- السیرۃ النبویۃ ابن کثیر
  ت: محمد سعید الخضراوی
  (البدایۃ والنہایۃ کاوہ حصہ جو سیرۃ النبی سے متعلق ہے)
- السیرۃ النبویۃ للحافظ ذھبی القاھرۃ
- السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، دراسۃ تحلیلیۃ
  مھدی رزق اللہ أحمد، الریاض۔ مرکز الملک الفیصل للبحوث والدراسات الإسلامیۃ ۱۴۱۲ھ
- السیرۃ النبویۃ المختصر
  أبوالحسن أحمد بن فارس کمال عزالدین بیروت ۱۹۸۹ء
- نضرۃ النعیم جلد ۷،۸،۹ الدکتور صالح بن عبداللہ بن حمید والشیخ عبدالرحمن بن محمد الملوح
  دارالوسیلہ جدۃ سعودی عرب
- سیرۃ النبی جلد ۶ علامہ سید سلیمان ندوی

خلاصہ:

اولین سیرت نگاروں کے چار نام پہلے آچکے ہیں، ابن اسحاق، ابن ہشام، السہیلی، ابوذر الخشنی، ان کا ذکر پہلے گذر چکا، اب ان محدثین کا نام جنہوں نے سیرت نگاروں کو علمی مواد فراہم کیا اور ان کی روایت کردہ احادیث صحیحین، سنن، مسانید، معاجم، کتب سیرت میں بہ کثرت ملتی ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ کی جمع کردہ احادیث خاص طور پر مغازی کے بارے میں علماء حدیث کے نزدیک قابل اعتماد سمجھی گئی ہیں، حافظ ابن حجر نے ان احادیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے، حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الدرر فی اختصار السیر" میں اس کو مقدمہ کی حیثیت سے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) ایک بڑے محدث، ثقہ عالم ہیں اور بڑے اہم محدثین میں ان کا شمار ہے، اور ان کی روایت کردہ احادیث سند کا درجہ رکھتی ہیں، انھوں نے سیرۃ النبی پر مواد اس طرح جمع کیا ہے کہ عہد مکی کو پہلے بیان کیا اور اس کا نام "السیرۃ النبویۃ" رکھا اور مدنی زندگی کے حالات کا نام مغازی رکھا۔

امام ذہبی نے صحیح بخاری اور سنن پر اعتماد کیا ہے، سیرت کی کتابوں میں سیرت ابن اسحاق اور مغازی عروۃ، مغازی موسیٰ بن عقبہ، مغازی ابن عائذ سے اخذ کیا ہے حافظ ذہبی نے اس کے علاوہ معلومات بھی جمع کی ہیں، اور بعض روایت کی تمحیص کی ہے، اور صحیح وضعیف کی تقسیم بھی کی ہے۔

امام ذہبی حافظ دمیاطی کے خاص شاگرد تھے جن کا بعض جگہوں پر انھوں نے نام لیا ہے اور بعض جگہوں پر نہیں لیا ہے۔

۱- زاد المعاد فی ھدی خیر العباد:

امام ابن قیم جوزی (م ۷۵۱ھ) نے زاد المعاد کے دو حصے سیرۃ النبی کے

لئے خاص کئے ہیں اور سیرت نبوی کو ان احکام سے مربوط کیا ہے، جو فوائد، آداب کی احادیث، سیرت کی کتابوں سے اخذ کی گئی ہیں۔

۲- البدایہ و النہایہ

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) اور ابن کثیر کی تحقیقات پر امام ذہبی، ابن حجر اور ابن العماد الحنبلی نے اعتماد کیا ہے، تاریخ میں ان کی کتاب سیرت کے عام مضامین پر مشتمل ہے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ کی تعدد ازدواج پر تبصرہ کیا ہے، عصر جاہلی، سیرتِ پاک مکہ میں، پھر مدینہ میں، اس کے علاوہ شمائل اور معجزات سب پر یہ کتاب حاوی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے جن بنیادی مصادر پر اعتماد کیا ہے ان میں سب سے پہلے قرآن کریم ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ابن کثیر عالم و مفسر تھے، اس لئے وہ بار بار آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔

اسی طرح ابن کثیر نے صحیح بخاری اور مسلم، مسند احمد، بزار اور طبرانی اور دوسرے علماء سے جو قابل اعتبار تھے ان کی بیان کردہ احادیث پر اعتماد کیا ہے۔

یہ چند کتابیں سیرۃ النبی کے مآخذ میں شمار ہوتی ہیں اور بسا اوقات ایک دو واقعات ایسے مل جاتے ہیں جو ایک میں ہیں دوسرے میں نہیں۔

باب سوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے وہ رخ
جن کا تعلق افرادامت سے نہیں بلکہ براہ راست اللہ
تعالیٰ عزوجل سے ہے جیسے تقویٰ، حسن اخلاق،
اخلاص، ابتہال، اخبات، احتساب، توکل وغیرہ

مضامین سیرت کا خصوصی مطالعہ

مضامین سیرت میں وہ عادات واخلاق مذکور ہیں جن کا گذشتہ اوراق میں خلاصہ بیان کیا گیا، یا یوں کہیے جن کی فہرست پیش کی گئی، اسی ضمن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا وہ رخ نمایاں کرنے کی کوشش کی جس کا ذکر متفرق طور پر مختلف مقامات پر آیا ہے اور راقم کے ذوق کے مطابق ان کو یکجا کر کے ایک عنوان کے ماتحت لے آنا زیادہ مفید مطلب ہے۔

ابتہال، احتساب، تواضع، انکسار، حق کی طرف یکسوئی اور مصائب کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کے ذریعہ سے سکون وراحت کا حاصل ہونا تاریخ بھی ہے اور تعلیم بھی، اس سلسلہ میں اخلاص، حسنِ ادب، رہنمائی خیر طلبی، فریاد کرنے کی عادت یہ سب سیرت کے اجزاء ہیں، رزق حلال کا اہتمام، صدق گوئی کی عادت، پڑوسیوں کی مدد، جنازے کی مشایعت، مریض کی عیادت، اپنی ذات اور خاندان کے علاوہ دوسروں کی فکر مندی یہ تمام باتیں سیرت کے اہم اجزاء ہیں اور ان سب کو مفسرین اور سیرت نگاروں نے اور خاص طور پر محدثین نے حسنِ خلق کے ضمن میں بیان کیا ہے، لہٰذا ہم حسن خلق کا باب قائم کر کے سیرت کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں جو قصہ کہانیوں کی باتیں نہیں بلکہ صحیح اسناد سے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ محدثین نے بیان کیا ہے۔

ان میں سب سے پہلے لفظ تقویٰ اور اس کے مشتقات مع ملحقات سامنے آئیں گے کیونکہ یہی اصل ہے جس کے فروعات میں یا جس کے نتائج میں دوسری کیفیات سامنے آتی ہیں۔

تقویٰ

لغت کے اعتبار سے اتقاء کا اسم ہے، و، ق، ی، اس کا مادہ ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو کسی دوسری شے سے ہٹانا، جیسے مرض کو دوا کے ذریعہ ہٹانا، راستہ کے کنکر وغیرہ قسم کی چیزوں کو صاف کرنا، اس کا مصدر وقایہ ہے جس کے معنیٰ ڈھال کے ہیں یا بچاؤ کرنا۔ عرب بولتے ہیں "الوقاية خير من العلاج" یعنی علاج سے بہتر پرہیز ہے، حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ ہو، حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کھجور کے ٹکڑے کو ڈھال بنالو اپنے اور آگ کے درمیان، راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ "وقایہ" کے معنی ہیں کسی چیز کی مضرت سے بچنا یہ مصدری معنی ہوئے، اور اسی معنی میں یہ آیت کریمہ ہے "وَوَقَاهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ" اور تقویٰ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ذات کو ان خطرات سے محفوظ کرلے جن سے وہ کسی شے کے ذریعہ ڈر رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے کو فلاں چیز سے بچالیا، اتقی فلان بکذا، قرآن کریم میں ہے:

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

(الزمر: ۲۴)

"بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت عذاب کے سپر بنا دیگا"

اس میں تنبیہ ہے کہ وہاں سختی ہوگی اور سب سے زائد اپنے کو محفوظ رکھنے کی چیز اپنا وجود ہوگا، تقویٰ اور تقیٰ ایک ہی چیز ہے اور تقیٰ اور متقی کے ایک ہی معنی ہیں،

''لسان العرب'' میں اس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ قرآن کریم میں ہے "وَآتَاهُمْ تَقْوٰهُمْ" (محمد:۱۷) دوسرے معنی میں ہے اَلْهَمَهُمْ تَقْوٰهُمْ دل میں ڈال دیا کہ کیسے بچاؤ کرے، "هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ٥ (المدثر:۵۶)

''یعنی یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کے عذاب سے بچا جائے اور وہ اس بات کا اہل ہے کہ اس سے مغفرت کی امید کی جائے۔''

راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ اصطلاحاً شرع کے عرف میں تقویٰ کہتے ہیں نفس کو اس چیز سے بچانا جو اس کو معصیت میں مبتلا کر دے، اور یہ مکمل ہوتا ہے بعض مباحات کو چھوڑنے سے، حدیث میں ہے "الحلال بیّن و الحرام بیّن" جو چیز حلال ہے وہ بہت کھل کے لوگوں کو معلوم ہے اور جو چیز حرام ہے وہ بھی بالکل عیاں ہے "ومن رتع حول الحمى فحقيق أن يقع فيه " جو جانور چراگاہ کے ارد گرد چرے گا وہ اس لائق ہے کہ چراگاہ میں بھی جا پڑے، آپ اس کو یوں سمجھیں کہ جیسے بچے بہت بڑے منڈیر والے کنویں یا تالاب کے ارد گرد دوڑ بھاگ کر رہے ہوں تو ڈر لگا رہتا ہے کہ کسی کا پاؤں پھسلے اور وہ اندر گر جائے اب یہاں پر محفوظ رکھنا اور گرنے سے بچا لینا تقویٰ ہے۔

فیروز آبادی نے لکھا ہے: کہ مکمل اور سالم تقویٰ مضر چیز سے بچنا ہے، مضر چیز معصیت ہے، اور فضولیات سے محفوظ رہنا، اس لئے اس کے دو درجے ہیں اعلیٰ درجہ فرض ہے اور ادنیٰ درجہ نفل کا ہے، قرآن کریم میں یہ لفظ پانچ شکلوں میں آیا ہے:

۱ - خوف و خشیت جیسے اللہ کا ارشاد ہے

"یَآ یُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ج اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ٥

(الحج: ۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (کیونکہ) یقیناً قیامت (کے دن)

کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔“

۲۔ عبادت کے معنی میں

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ (النحل:۲)

”وہ فرشتوں کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر اپنے بندوں میں جس پر چاہیں نازل فرماتے ہیں کہ خبر دار کر دو کہ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو مجھ سے ڈرتے رہو۔“

۳۔ ترک معصیت

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (البقر:۱۸۹)

”اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہوں۔“

۴۔ توحید

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط

(الحجرات: ۳)

”یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خاص کر دیا ہے“

۵۔ اخلاص

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

(الحج ۳۲)

”اور جو شخص (دین) خداوندی کی (ان مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ

رکھے گا تو (ان کا) یہ (لحاظ رکھنا خداتعالیٰ سے) دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔"

سیرت نگار نبوی علامہ سید سلیمان ندوی قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں:

تقویٰ سارے اسلامی احکام کی غایت ہے

اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں کرنا چاہیں تو ہم اس کو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں، اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اسی تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے، قرآن پاک نے اپنی دوسری ہی سورہ میں یہ اعلان کیا ہے کہ اس کی تعلیم سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تقویٰ والے ہیں:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (البقرہ:۲)

"یہ کتاب تقویٰ والوں کو راہ دکھاتی ہے۔"

اسلام کی ساری عبادتوں کا منشاء اسی تقویٰ کا حصول ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ: ۲۱)

"اے لوگو اپنے اس پروردگار کی جس نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا، عبادت کرو، تاکہ تم تقویٰ پاؤ۔"

حج کا منشا بھی یہی ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ٥

(الحج ۳۲)

"اور جو اللہ کے شعائر حج کے ارکان و مقامات کی عزت کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔"

قربانی بھی اسی غرض سے ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآءُ ھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ۔ (الحج: ۳۷)

''خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، لیکن تمہارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے۔''

ایک مسلمان کی پیشانی جس جگہ خدا کے لئے جھکتی ہے، اس کی بنیاد بھی تقویٰ پر ہونی چاہئے:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ (التوبہ: ۱۰۹)

''جس نے اس کی عمارت خدا سے تقویٰ پر کھڑی کی۔''

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی ۔ (التوبہ: ۱۰۸)

''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر قائم کی گئی۔''

حج کے سفر اور زندگی کے مرحلہ میں راستہ کا توشہ مال و دولت اور ساز و سامان سے زیادہ تقویٰ ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (البقرہ: ۱۹۷)

''اور سفر میں زادِ راہ لے کر چلو اور سب سے اچھا زادِ راہ تقویٰ ہے''

ہمارے زیب و زینت کا سامان ظاہری لباس سے بڑھ کر تقویٰ کا لباس ہے:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ (الاعراف: ۲۶)

''اور تقویٰ کا لباس وہ سب سے اچھا ہے''

اسلام کا تمام اخلاقی نظام بھی اسی تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہے:

وَاَنْ تَعْفُوْآ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (البقرہ: ۲۳۷)

''اور معاف کر دینا تقویٰ سے قریب تر ہے''

---

(۱) یہ روایت ترمذی اور مسند ابن حنبل میں ہے شیخ احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى (المائدہ: ۸)

''انصاف کرنا تقویٰ سے قریب تر ہے''

وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ

(آل عمران: ۱۸۶)

''اور اگر صبر کرو، اور تقویٰ کرو تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے''

وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ (البقرہ:۲۸)

''اور تقویٰ کرو اور لوگوں کے درمیان صلح کراؤ''

وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا

(النساء :۱۲۸)

''اور اگر اچھے کام کرو اور تقویٰ کرو، تو اللہ تمہارے کاموں سے خبر دار ہے''

اہلِ تقویٰ تمام اخروی نعمتوں کے مستحق ہیں

آخرت کی ہر قسم کی نعمتیں انہیں تقویٰ والوں کا حصہ ہے:

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ مَقَامٍ اَمِيۡنٍ ۙ (دخان ۵۱)

''بے شبہ تقویٰ والے امن وامان کی جگہ میں ہوں گے''

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيۡمٍ ۙ (طور ۱۷)

''بے شک تقویٰ والے باغوں میں اور نعمت میں ہوں گے''

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوۡنٍ ۙ (ذاریات، ۱۵)

''شک نہیں کہ تقویٰ والے باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے''

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۙ (القمر ۵۴)

''بلاشبہ تقویٰ والے باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے''

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ ۔ (المرسلت:۴۱)

"بلاشک تقویٰ والے سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے"

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۔ (ن:۳۴)

"یقیناً تقویٰ والوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس نعمت کے باغ ہیں"

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ۔ (النباء:۳۱)

"بے شبہ تقویٰ والوں کے لئے کامیابی ہے"

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۔ (ص:۴۹)

"لاریب تقویٰ والوں کے لئے بازگشت کی اچھائی ہے"

کامیابی اہل تقویٰ کے لئے ہے:

گو بظاہر ابتداء میں اہل تقویٰ کو کسی قدر مصیبتیں اور بلائیں پیش آئیں، یا بہت سی حرام اور مشتبہ لیکن بظاہر بہت سی عمدہ چیزوں سے محروم ہونا پڑے، ظاہری کامیابی کی بہت سی ناجائز کوششوں اور ناروا راستوں سے پرہیز کرنا پڑے، اور اس سے یہ سمجھا جائے کہ ان کو مال و دولت، عزت و شہرت اور جاہ و منصب سے محرومی رہی، لیکن دنیا کے تنگ نظر صرف فوری اور عاجل کامیابی ہی کو کامیابی سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اسی دنیا کے ظاہری ثمروں کی بنا پر کام کے اچھے برے نتیجوں کا فیصلہ کرلینا چاہئے حالانکہ جو جتنا دور بین ہے اسی قدر وہ اپنے کام کے فوری نہیں بلکہ آخری نتیجہ پر نگاہ رکھتا ہے، حقیقی دور بین اور عاقبت اندیش وہ ہیں جو کام کی اچھائی برائی کا فیصلہ دنیا کے ظاہری چند روزہ اور فوری فائدہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ آخرت کی دائمی اور دیرپا فائدہ کی بنا پر کرتے ہیں، اور جب ان کی نظر آخرت کے ثمروں پر رہتی ہے تو دنیا بھی ان کی بن جاتی ہے، اور یہاں اور وہاں دونوں جگہ کامیابی اور فوز و فلاح

انہیں کی قسمت میں ہوتی ہے، فرمایا:

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ (الاعراف:۱۲۸–قصص ۸۳)

''اور آخری انجام تقویٰ والوں کے لئے ہے''

اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ (ہود:۴۹)

''بے شبہ انجام کار تقویٰ والوں کے لئے ہے''

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ (الزخرف:۳۵)

''اور آخرت تیرے پروردگار کے نزدیک تقویٰ والوں کے لئے ہے''

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔

''اور انجام کار تقویٰ والوں کے لئے ہے''

اہلِ تقویٰ اللہ کے محبوب ہیں:

یہی متقی اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کے سزاوار ہیں، جب وہ کام میں خدا کی مرضی اور پسندیدگی پر نظر رکھتے ہیں اور اپنے کسی کام کا بدلہ کسی انسان سے تعریف، یا انعام یا ہردلعزیزی کی صورت میں نہیں چاہتے، تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے اپنے انعام اور محبت کا صلہ عطا فرماتا ہے، اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں میں بھی ان کے ساتھ عقیدت، محبت، اور ہردلعزیزی پیدا ہوتی ہے۔

اِنْ اَوْلِيَآءُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۔ (الانفال، ۳۴)

''تقویٰ والے ہی خدا کے دوست ہیں۔''

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔ (آل عمران، ۷۶)

''تو اللہ بے شک تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔''

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔ (التوبہ: ۴)

''اللہ بلاشبہ تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔''

وَاللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔

''اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے۔''

معیت الٰہی سے سرفراز ہیں:

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معیت کے شرف سے ممتاز اور اس کی نصرت و مدد سے سرفراز ہوتے ہیں، اور جس کے ساتھ اللہ ہو اس کو کون شکست دے سکتا ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (البقرہ : ۱۹٤)

''اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے''

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ :٣٦)

اور یقین مانو کہ لاریب اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔''

قبولیت اہل تقویٰ ہی کو حاصل ہے:

ایک کام ہزاروں اغراض اور سیکڑوں مقاصد کو سامنے رکھ کر کیا جا سکتا ہے، مگر ان میں اللہ تعالیٰ صرف انہیں کے کاموں کی پیشکش کو قبول فرماتا ہے، جو تقویٰ کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے ہیں، فرمایا:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ (المائدہ :۲۷)

''اللہ تو تقویٰ والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔''

اس لئے انہیں کے کاموں کو دنیا میں بھی بقاء، قیام اور ہردلعزیزی نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی۔

تقویٰ والے کون ہیں؟:

یہ جان لینے کے بعد کہ تقویٰ ہی اسلام کی تعلیم کی اصلی غایت، اور وہی سارے اسلامی تعلیمات کی روح ہے اور دین و دنیا کی تمام نعمتیں اہل تقویٰ ہی کے

لئے ہیں، یہ جاننا ہے کہ تقویٰ والے کون ہیں، قرآن پاک نے اس سوال کا بھی جواب دیدیا ہے، چنانچہ اس کا مختصر جواب تو وہ ہے جو سورہ زمر میں ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ (الزمر: ۳۳-۳۴)

''اور جو سچائی لے کر آیا، اور اس کو سچ مانا وہی لوگ ہیں تقویٰ والے،
ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ ہے، جو وہ چاہیں، یہ ہے
بدلہ نیکی والوں کا۔''

یعنی تقویٰ والا وہ ہے جو اپنی زندگی کے ہر شعبہ، اور کام کے ہر پہلو میں سچائی لے کر آئے اور اس ابدی سچائی کو سچ مانے وہ کسی کام میں ظاہری فائدہ، فوری ثمرہ، مال و دولت اور جاہ و عزت کے نقطہ پر نہیں بلکہ سچائی کے پہلو پر نظر رکھتا ہے، اور خواہ کسی قدر بظاہر اس کا نقصان ہو مگر وہ سچائی اور راست بازی کے جادو سے بال بھر ہٹنا نہیں چاہتا، لیکن اہل تقویٰ کا پورا حلیہ سورہ بقرہ میں ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔

(البقرہ: ۱۷۷)

''لیکن نیکی یہ ہے کہ جو خدا پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر، ایمان لایا اور اپنا مال اس کی محبت پر رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافر اور مانگنے والوں کو اور گردنوں کے آزاد کرانے میں دیا، اور نماز کو برپا کیا، اور زکوٰۃ ادا کی، اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدہ کو ایفا کرنے والے ہیں اور سختی، تکلیف، اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں، یہی وہ ہیں جو سچے ٹھہرے، اور یہی تقویٰ والے ہیں''

ان آیتوں میں تقویٰ والوں کا نہ صرف عام حلیہ، بلکہ ایک ایک خط وخال نمایاں کر دیا گیا، اور بتایا گیا ہے کہ یہی خدا کی نگاہ میں سچے ٹھہرنے والے اور تقویٰ والے ہیں۔

تقویٰ کی حقیقت کیا ہے:

تقویٰ اصل میں وقوی ہے، عربی زبان میں اس کے لغوی معنی بچنے، پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں، لیکن وحی محمدی کی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر وناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر وشر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے، دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے، یہ بات کہ تقویٰ اصل میں دل کی اس کیفیت کا نام ہے، قرآن پاک کی اس آیت سے ظاہر ہے جو ارکان حج کے بیان کے موقع پر ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

(الحج: ۳۲)

''اور جو شعائر الٰہی کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے''

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کا اصلی تعلق دل سے ہے، اور وہ سلبی کیفیت (بچنا) کے بجائے ایجابی اور ثبوتی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے، وہ امور خیر کی طرف دلوں میں تحریک پیدا، اور شعائر الٰہی کی تعظیم سے ان کو معمور کرتا ہے، ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (الحجرات:۳)

''بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے واسطے جانچا ہے، ان کو معافی ہے اور بڑا بدلہ۔''

اس آیت میں بھی تقویٰ کا مرکز دل ہی کو قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ رسولؐ کی تعظیم کا احساس تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے، ایک اور تیسری آیت میں تقویٰ کے فطری الہام ہونے کی طرف اشارہ ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا (الشمس:۸)

''تو ہر نفس میں اس کا فجور اور اس کا تقویٰ الہام کر دیا''

فجور تو ظاہر ہے کہ گنہگاری اور نافرمانی کی جڑ ہے، ٹھیک اسی طرح تقویٰ تمام نیکیوں کی بنیاد، اور اصل الاصول ہے اور دونوں بندہ کو فطرۃً ودیعت ہیں، اب بندہ اپنے عمل اور کوشش سے ایک کو چھوڑتا اور دوسرے کو اختیار کرتا ہے، مگر بہر حال یہ دونوں الہام ربانی ہیں، اور سب کو معلوم ہے کہ الہام کا ربانی مرکز دل ہے، اس لئے یہی تقویٰ کا مقام ہے۔

تقویٰ کا لفظ جس طرح اس دلی کیفیت پر بولا جاتا ہے، اس کیفیت کے اثر اور نتیجہ پر بھی اطلاق پاتا ہے، صحابہؓ نے کفار کے اشتعال دلانے اور ان سے بدلہ لینے پر پوری قوت رکھنے کے باوجود حدیبیہ کی صلح کو تسلیم کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مستحسن روش کو تقویٰ فرمایا:

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَاط (الفتح :۲۶)

''اور جب کفار نے اپنے دلوں میں پیچ رکھی، نادانی کی پیچ، تو اللہ نے اپنا چین اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اتارا، اور ان کو تقویٰ کی بات پر لگا رکھا، اور وہی تھے اس کے لائق اور اس کے اہل۔''

یہاں جنگ و خونریزی سے احتراز، خانہ کعبہ کے ادب، اور کفار قریش کی جاہلانہ عصبیت سے چشم پوشی کو تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک اور دوسری آیت میں دشمنوں کے ساتھ ایفائے عہد اور حتی الامکان جنگ سے پرہیز کرنے والوں کو متقی یعنی تقویٰ والے فرمایا ہے، اور ان کے ساتھ اپنی محبت ظاہر فرمائی ہے:

فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ٥ (التوبہ :۴)

''تو تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک پورا کرو، خدا تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔''

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ ،۴)

''تو وہ جب تک تم سے سیدھے رہیں، تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو، خدا تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔''

جس طرح انسان کا فجور، بُری تعلیم، بُری صحبت اور بُرے کاموں کی مشق اور کثرت سے بڑھتا جاتا ہے، اسی طرح اچھے کاموں کے شوق اور عمل سے نیکی کا ذوق بھی پرورش پاتا ہے اور اس کی قلبی کیفیت میں ترقی ہوتی ہے:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ۝

(محمد:۱۷)

''جو لوگ راہ پر آئے خدا نے ان کی سوجھ اور بڑھائی، اور ان کو ان کا تقویٰ عنایت کیا۔''

اس سے عیاں ہے کہ ''تقویٰ'' ایک ایجابی اور ثبوتی کیفیت ہے، جو انسان کو خدا عنایت فرماتا ہے اور جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہدایت پر ہدایت اور فطری تقویٰ پر، مزید دولت تقویٰ مرحمت ہوتی ہے۔

تقویٰ کی یہ حقیقت کہ وہ دل کی خاص کیفیت کا نام ہے، ایک صحیح حدیث سے تصریحاً معلوم ہوتی ہے، صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمایا:

التقوٰی ھھنا (مسلم)

''تقویٰ یہاں ہے۔''

اور یہ کہہ کر دل کی طرف اشارہ فرمایا، جس سے بے شک وشبہ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے، جو تمام نیکیوں کی محرّک ہے، اور وہی مذہب کی جان اور دینداری کی روح ہے، اور یہی سبب ہے کہ وہ قرآن پاک کی رہنمائی کی غایت، ساری ربّانی عبادتوں کا مقصد اور تمام اخلاقی تعلیموں کا ماحصل قرار پایا۔

اسلام میں برتری کا معیار:

اسلام میں تقویٰ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اثر یہ ہے کہ تعلیم محمدی نے نسل، رنگ، وطن، خاندان، دولت، حسب، نسب، غرض نوع انسانی کے ان صدہا خود ساختہ اعزازی مرتبوں کو مٹا کر صرف ایک ہی امتیازی معیار قائم کر دیا جس کا نام تقویٰ ہے اور جو ساری نیکیوں کی جان ہے، اور اس لئے وہی معیاری امتیاز بننے کے لائق ہے، چنانچہ قرآن پاک نے بہ آواز بلند یہ اعلان کیا۔

جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (الحجرات: ۱۳)

"ہم نے تم کو مختلف خاندان اور قبیلے صرف اس لئے بنایا کہ باہم شناخت ہو سکے، تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے"۔

اس اعلان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مختصر لفظوں میں ادا فرمایا کہ "الکرم التقوٰی" یعنی بزرگی و شرافت تقویٰ کا نام ہے اور اسی کے لئے حجۃ الوداع کے اعلان عام میں پکار کر فرمایا کہ: "عرب کو عجم پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں، برتر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ تقویٰ ہے" (سیرۃ النبیؐ ۵/۲۱۸-۲۲۳)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کا ترجمہ آیات کے سیاق وسباق اور قرآن کریم کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے الفاظ بدل بدل کر کیا ہے، مثلاً:

"يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۱)

"اے لوگو عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا

اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔"

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔

"يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۱)

"اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔"

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَا اٰتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(البقرہ : ۶۳)

"اور جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا (کہ توراۃ پر عمل کریں گے) اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر (محاذات) معلق کر دیا کہ (جلدی) قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو (احکام) اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔"

وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۷۹)

"اور اے فہیم لوگو! (اس قانون) قصاص میں تمہاری جان کا بڑا بچاؤ ہے (ہم امید کرتے ہیں) کہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔"

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۸۷)

"یہ خداوندی ضابطے ہیں سوان (سے نکلنے) کے نزدیک بھی مت ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے (اور) احکام بھی لوگوں کی اصلاح کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اسی امید پر کہ وہ لوگ پرہیز رکھیں۔"

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (الانعام،۶۹)

"اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر اس کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا لیکن ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں۔"

ان ترجموں میں بظاہر لفظ کی پابندی نہیں ہے اور "لعل" کے معنی وسعت کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے لیکن روح وہی ہے جس کو حفاظت اور بچاؤ کہتے ہیں۔

حسنِ اخلاق

امام غزالیؒ نے لکھا ہے ''خلق'' دل کی ایک کیفیتِ خاص سے عبارت ہے جو قلب میں راسخ ہو اور جس کی وجہ سے اعمال سہولت اور آسانی کے ساتھ اور بغیر غور وخوض کیئے ظاہر ہوتے ہیں (۱) کوئی تکلف نہیں کرنا پڑتا ہے اور نہ کسی بناوٹ کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ جو ظاہر ہوتا ہے وہ فطرت کا تقاضہ ہوتا ہے، اخلاق حسنہ کے نتائج جن افعال سے ظاہر ہوتے ہیں انہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''احسن الناس خَلقا و خُلقا'' تھے یعنی آپ کا ظاہری چہرہ مہرہ بھی دلآویز اور دلکش تھا، اور دوسروں سے آپ کا برتاؤ، شفقت، کرم، لطف، دلدہی، محبت، اپنائیت چھوٹے بڑے کی فکر یہ سب آپ کی عادات شریفہ تھی، جو ہمارے لئے اسوہ اور کردار کا معیاری نمونہ ہیں نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام عالم بشریت کے لئے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی یہ آیتیں عنوان کا کام دیتی ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم: ۱-۴)

''نٓ، قسم ہے قلم کی اور (قسم ہے) ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کہ کاتب الاعمال ہیں) کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں (جیسا کہ منکرین نبوت کہتے ہیں) اور بے شک آپ کے

لئے (اس تبلیغ احکام پر) ایسا اجر ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں، اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔"

وہ آیات جن میں حسن خلق کے اجزاء بیان کئے گئے ہیں متفرق مقامات پر وارد ہوئی ہیں اور معنوی اعتبار سے ان کا تعلق حسن اخلاق سے ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (البقرہ: ۸۳)

"اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول وقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی، اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی، اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا، اور پابندی رکھنا نماز کی، اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ، پھر تم (قول وقرار کے) اس سے پھر گئے، بجز معدودے چند کے اور تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا۔"

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝

(الاسراء: ۵۳)

---

(۱) احیاء علوم الدین (۳/۵۸)

”اور آپ میرے (مسلمان) بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو، شیطان (سخت کلامی کرا کے) لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے، واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔“

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ط نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ٥ (المومنون:۹۶)

”آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا (اور نرم) ہو ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں۔“

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْکِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ٥ (العنکبوت:۴۶)

”اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو، ہاں جو ان میں زیادتی کریں اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں، اور (یہ تم بھی تسلیم کرتے ہو) کہ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔“

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ٥ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا

الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ۔

(حٰم السجدہ: ۳۳-۳۵)

"اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے، اور (خود بھی) نیک عمل کرے، اور کہے کہ میں فرمانبرداروں سے ہوں اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے تو اب) آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے، پھر یکا یک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے، اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں، اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے۔

وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ خِلۡفَةً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا ۔ وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ۔ وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّهِمۡ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۔ وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا کَانَ غَرَامًا ۔ اِنَّهَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۔ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ۔ وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا یَزۡنُوۡنَ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ۔ یُّضٰعَفۡ لَهُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَیَخۡلُدۡ فِیۡهٖ مُهَانًا ۔ اِلَّا

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْماً ٥ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ٥ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَوَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَاماً ٥ (الفرقان: ۶۲-۷۲)

''اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے (اور یہ دلائل) اس شخص کے لئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے اور (حضرت) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب جہلاء ان سے (جہالت کی بات کرتے ہیں) تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں، اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں، اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے، کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بے شک وہ جہنم برا ٹھکانہ اور برا مقام ہے (یہ تو ان کی حالت طاعات بدنیہ میں ہے) اور (طاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے، اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر، اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسا کام کرے گا، تو سزا

سے اس کو سابقہ پڑے گا، کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا، اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (وخوار) ہو کر رہے گا، مگر جو (شرک و معاصی سے) توبہ کرلے، اور ایمان (بھی) لے آئے، اور نیک کام کرتا رہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جو شخص (معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے اور وہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً) بے ہودہ مشغلوں کے پاس کو ہو کر گذریں تو سنجیدگی کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔"

یعنی کسی سے جھگڑتے نہیں، بحث و مباحثہ نہیں کرتے، کیونکہ ایسے اوقات میں اگر کلمۂ حق ان سے کہا گیا تو وہ بجائے اپنی اصلاح کرنے کے اپنے اعمال پر اور بضد ہو جائیں گے لہذا دعوت و اصلاح کا نفسیاتی علاج یہی ہے کہ اس وقت ہاں ہاں ٹھیک کہہ کر گذر جائیں پھر جب مناسب وقت آئے تو مناسب پیرایہ بیان میں ان کی اصلاح کی فکر کریں۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۚ (لقمان: ۱۷-۱۹)

"بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل، بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے، اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر، اور اپنی آواز کو پست کر بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔

احادیث نبویہ میں حسن خلق کا ذکر

عن ابی ذر رضی الله عنه، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "اتق الله حیثما کنت، وأتبع السیّئة الحسنة تمحها، وخالق الناس بخلقٍ حسن" (ترمذی-۱۹۸۷)

(۱) "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو اور کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد ایسے نیکی کا کام کرو جو برائیوں کو دھودے اور لوگوں سے معاملہ حسن اخلاق کا کیا کرو۔"

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم أکمل المومنین إیمانا أحسنهم خلقا، وخیارکم خیارکم لنسائهم خلقا۔' (ترمذی-۱۱۶۲)

(۲) ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے اعتبار سے سب سے مکمل ایمان رکھنے والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے بہتر ہیں اور تم میں بہتر اور اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل وعیال سے حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں۔“

عن ابی ا مامة الباهلیؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم أنا زعيم ببيتٍ فی ربض الجنة لمن ترك المراء وإن كا ن محقا، وببيتٍ فی وسط الجنة لمن ترك الكذب وإن كان مازحا وببيت فی اعلى الجنة لمن حسن خلقه‘(ابوداؤد-۴۸۰۰)

(۳) ”حضرت ابو امامہ الباہلیؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ضمانت دیتا ہوں ایسے گھر کی جو جنت کے زیر سایہ ہوگا ان لوگوں کو دیا جائے گا جو باہمی تکرار سے محفوظ رہیں گے خواہ وہ حق بجانب ہوں، جنت کے وسط میں اس شخص کا گھر ہے جو جھوٹ کو چھوڑ دے، اور ہنسی مذاق میں بھی غلط بیانی نہ کرتا ہو، اور جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر اس کا گھر ہوگا جس کے اخلاق بہتر ہوں گے۔“

(اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جنت کے مختلف مدارج اور منزلیں ہوں گی جو جنت کے زیر سایہ ہیں اس کے لئے ”ربض“ کا استعمال کیا گیا، اور دوسرا درجہ وسط جنت اور تیسرا جنت کا اعلیٰ ترین حصہ ہے)۔

عن عائشة ام المومنين رضى الله عهنا ان سعد بن

هشام سألها فقال: يا أم المومنين أنبئيني عن خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت: أليس تقرأ القرآن؟ قال :بلى ،قالت:" فان خلق نبيّ الله صلى الله عليه وسلم كان القرآن"

(۴) حضرت عائشہ ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ سعد بن ہشام نے ان سے پوچھا اور کہا یا ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کا حال بتایئے تو جواب میں کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ؟ کہا بے شک پڑھتے ہیں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وہی ہیں جو قرآن ہے۔

عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم"إن الله تعالىٰ قسم بينكم أخلاقكم ، كما قسم بينكم أرزاقكم، وإن الله عزوجل يعطى الدنيا من يحب ومن لا يحب ،ولا يعطى الدين إلا لمن أحب، فمن أعطاه الله الدين فقد أحبه ،والذى نفسى بيده لا يسلم عبد حتى يسلم قلبه ولسانه ولا يؤمن حتى يأمن جاره بوائقه"قالوا: وما بوائقه يا نبى الله!قال : غشمه وظلمه ،ولا يكسب عبدمالاً من حرامٍ فينفق منه فيبارك له فيه ، ولا يتصدق به فيقبل منه ولا يترك خلف ظهره إلا كان زاده إلى النار، إن الله عزوجل لا يمحو السئى بالسئى ولكن

یمحو السئی بالحسن، إن الخبیث لا یمحو الخبیث"   (احمد ۱/۳۸۷ والحاکم ۱/۳۳، ۳۴، ۴/۱۶۵)

(۵) ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق تقسیم کیا ہے (یعنی کسی کا زیادہ ہے، کسی کا کم ہے، کسی کے یہاں تنگی ہے، کسی کے یہاں فراخی ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق کو تقسیم کیا ہے، اللہ دنیا دیتا ہے جو دنیا کا خواہاں ہو یا خواہاں نہ ہو، اور آخرت کی نعمتیں صرف اسی کو دیتا ہے جو اس کا خواہاں ہو، اللہ نے جس کو دین کی دولت دی وہ اس کی محبت کی علامت ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ نجات نہیں پاسکتا جب تک کہ اس کا دل اور زبان پاک نہ ہو، اور وہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ آپ نے ابھی 'بوائق' کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کا کیا مفہوم ہے، فرمایا پڑوسی کو نظر انداز کرنا اور نقصان پہنچانا، اور کوئی بندہ حرام مال کماتا ہے اور اس کو خیر کے کام میں صرف کرتا ہے تو اللہ اس میں برکت نہیں دے گا، اور اگر وہ اس کو اپنی اولاد کے لئے چھوڑ جاتا ہے تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہے اللہ گناہ کو گناہ سے نہیں دھوئے گا، لیکن گناہ کو اچھے کاموں سے دھودے گا کیونکہ بدی بدی کو نہیں مٹاتی، ہاں اچھے کام بدی کو مٹا دیتے ہیں اور برے کام کے آثار کو ختم کر دیتے ہیں۔''

عن عائشة رضى الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن المومن ليدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم"

(ابوداؤد-۴۸۹۸)

(۶) "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنے حسن اخلاق سے ایک روزہ دار کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے جو نماز پڑھتا اور عبادت کرتا ہے"

عن ابی هريرة رضى الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، "إنما بعثت لأتمم صالح الاخلاق" (احمد-۲/۳۸۱-والحاکم(۲/۶۱۳)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری بعثت اس غرض سے ہوئی ہے کہ اخلاق صالحہ کی تکمیل کروں۔

عن جابر بن عبدالله رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ان من أحبكم الىّ واقربكم منى مجلسا يوم القيامة ، أحاسنكم أخلاقا، وان ابغضكم إلي وابعدكم منى مجلسا يوم القيامة الثرثارون والمتشدقون والمتفيهقون قالوا يا رسول الله قد علمنا الثرثارون والمتشدقون فما المتفيهقون ؟ قال:المتكبرون" (الترمذی-۲۰۱۸)

(۸) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے روز سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے روز مجھ سے دور وہ لوگ ہیں جو بیکار بکواس کرنے والے، لوگوں کے متعلق غلط باتیں اڑانے والے اور لوگوں کی پگڑیاں اچھالنے والے اور تکبر کرنے والے۔

(متشدقون" کے معنی چبلا چبلا کر اور مزے لے لے کر لوگوں کی غیبت کرنا، اسی کو میں نے پگڑی اچھالنے سے تعبیر کیا ہے)۔

عن النواس بن سمعان رضی الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال:" البر حسن الخلق، و الإثم ما حاك فی صدرك و كرهت ان يطلع عليه الناس" (مسلم-۲۵۵۳)

(۹) حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ثواب کا کام حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جس کی برائی تمہارے سینے میں خود کھٹکتی ہو اور تم پسند نہیں کرتے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔

عن عبدالله بن زبير رضی الله عنهما: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ (۱) قال: ما أنزل هذه الآية إلا فی أخلاق الناس،

---

(۱) الاعراف ۱۹۹

(۱۰) ''حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت کریمہ'' خُـذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ " کانزول لوگوں کے اخلاق کے بارے میں ہوا ہے (یعنی درگذر کرو اور حق بجانب باتوں کی نصیحت کرو)

وعـنـه ايضا قال أمر الله نبيه صلى الله عليه وسلم ان ياخذ العفو من أخلاق النا س أو كما قال (۱)

ابن زبیرؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ہدایت فرمائی کہ درگذر کرنا انسانی اخلاق ہے۔

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال :سئل رسول الله صـلـى الـلـه عليه وسلم عن أكثر ما يدخل الناس الجنة؟ فقال تقوىٰ الله وحسن الخلق، وسئل عن أكثر ما يدخل الناس النار؟فقال: الفم والفرج"(۲)

(۱۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی بات لوگوں کو جنت میں زیادہ داخل کرے گی فرمایا اللہ کا ڈر اور حسن اخلاق پھر پوچھا گیا کہ کونسی بات جہنم میں کثرت سے لوگوں کو ڈالے گی فرمایا، منھ اور شرمگاہ۔

---

(۱) البخاری، الفتح (۴۶۴۳،۴۷۶۴۳،۴۶۴۴)

(۲) الترمذی ۴ (۲۰۰۴)

اخلاص

یہ لفظ کثرت استعمال سے اس درجہ پامال ہو گیا ہے کہ اس کو جگہ بے جگہ سمجھے ہوئے اور بغیر سمجھے ہوئے لوگ استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس کی معنویت گویا ختم ہو چکی ہے، عربی لغت اور محاورے کے لحاظ سے اس کے معنی ہیں کسی چیز سے تمام آلائشوں کو پاک کرنا، اور ہر طرف سے کٹ کر کسی ایک طرف اپنے فرائض انجام دینا جس میں نہ کسی ریا کا شبہ ہو نہ دکھاوے کی خواہش ہو اور نہ لوگوں کی تحسین و منقبت کی تمنا، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں پہنچے اور حضرت بنیامین کو یوسف علیہ السلام نے روک لیا اور یہ لوگ مایوس ہو گئے کہ اب وہ ان کے حوالے نہیں کریں گے اور باپ کے سامنے یہ لوگ جا کر رسوا ہوں گے تو سب لوگ مایوسی کے بعد آپس میں سرگوشی کرنے لگے اور اس وقت ان کے پیش نظر کوئی مہم نہیں تھی، صرف ایک کام تھا کہ بنیامین کو کس طرح حاصل کریں، اس سلسلہ میں قرآن میں اس طرح وارد ہوا ہے:

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ط (یوسف:۸۰)

"پھر جب ان کو ان سے (یعنی یوسف علیہ السلام سے) بالکل امید نہ رہی (کہ بنیامین کو دیں گے) تو (اس جگہ سے) علیحدہ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے۔"

"نَجِيًّا" کے معنی ہیں پرائیویٹ گفتگو کرنا، جس میں کوئی اور شریک نہ ہو،

اور 'خلصوا' کے معنی ہیں ہر طرف سے بے نیاز ہو کر ایک طرف یکسو ہو جانا۔

سیرت نبوی میں یہ ایک بیش قیمت اور انمول سرمایہ ہے، عبادتیں اس کے بغیر بیکار، دعائیں بغیر اس کے رائیگاں، خیر خیرات سب ضائع، چنانچہ یہ ہنر جس کو قرآن وحدیث کی زبان میں اخلاص کہا گیا ہے سیرت پاک کا اہم ترین جزء ہے جس کی مثالیں تطبیقی بھی ہیں، اور اوامر ونواہی کی روح بھی یہی ہے اور بغیر اس کے مسلسل مہینوں کے روزہ اور رات رات بھر کا قیام، قلت منام جس کو امام غزالیؒ نے عبادتوں کا مغز بتایا ہے نا قابل التفات ہے۔

لغت میں لکھا ہے، "الاخلاص عمل یعین علی الخلاص" کہ اخلاص وہ کام ہے جو خلوص کے حصول میں مدد دیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ نیت کا مختلف جہتوں میں تقسیم ہونا اخلاص کے خلاف ہے، مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کسی شخص نے اپنی دولت اللہ کی راہ میں لٹادی اور اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اللہ اجر دے گا، اور دنیا میں لوگ واہ واہ کریں گے اور میری اولاد سر اٹھا کر چلے گی کہ میرے باپ نے یہ کار خیر کیا تھا مثلاً کوئی سڑک بنوادی، راستے میں کنویں کھدوا دیئے، مسجدیں تعمیر کر دیں، یہ کام سب اچھے ہوئے، اجر دینے کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، بندہ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا، اور نہ اس کو کچھ کہنے کا حق ہے —— زر خالص جس میں کوئی ملاوٹ نہ ہو اور وہ سونا جس میں دوسری دھات ملا دی گئی ہو دونوں میں بڑا فرق ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ اپنے لغوی مفہوم میں وارد ہوا ہے اور معنوی بھی اور اس طرح بھی کہ لفظ خلوص یا اخلاص الفاظ میں تو نہیں ہیں لیکن معنی میں ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ کسی چیز کا بغیر آلائش کے ہونا۔

قرآن کریم میں یہ آیت ہے:

مِنۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ ٥

(النحل :٦٦)

"(اور اس کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے) اس کے درمیان میں سے صاف اور (گلے میں) آسانی سے اترنے والا دودھ ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔"

کیونکہ دودھ کا خالص ہونا یہ ہے کہ اس میں گوبر یا خون کی ذرہ برابر بھی آلائش نہ ہو۔

۲۔امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے، کہ "الاخلاص هو التبری عن کل مادون اللّٰه تعالىٰ "یعنی اخلاص ماسوا اللہ ہر شے سے آزاد ہوئے اور ہونے کا نام ہے۔

۳۔راغب اصفہانی کہتے ہیں: کہ مسلمانوں کا اخلاص عقیدے کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ان خیالات سے پاک ہیں جو یہود کے تھے، اور جس کا جزء تشبیہ بالرب یعنی اللہ سے مشابہ ہونا ہے، یا نصارئ جو تثلیث کے قائل ہیں، ان کے عقیدہ کی کوئی چھاپ یا کوئی سایہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ (الاعراف:۲۹-غافر:۱۴) یعنی عبادت کو دوسری آمیزشوں سے پاک رکھنا، دوسری آمیزش کیا ہو سکتی ہے —— دکھاوا، لوگوں کی تحسین کی توقع اور یہ تصور کہ لوگ بزرگ سمجھیں گے، اللہ والا تصور کریں گے اور ہر طرف سے لوگ اپنی امیدیں باندھیں گے۔

۴۔امام نخعی نے لکھا ہے کہ کچھ لوگ روزہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس کی صحت کا تقاضہ یہی ہے، تو یہ روزے بھی وہی ہیں جن کے بارے میں آثار واحادیث میں آیا

ہے: ''رُبّ صائم ليس له من صومه إلا الظمأ والجوع'' یعنی بہت سے ایسے روزے دار ہوں گے جن کے نصیب میں بھوک اور پیاس برداشت کرنا ہے، اللہ سے تقرب اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اجر حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ عمل خالص اسی کی ذات پاک کے لئے نہ ہو۔

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں، ہم یہاں پر دس آیتوں کا انتخاب کر کے پیش کرتے ہیں:

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝

(البقرة :۱۳۹)

''آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے (اب بھی) حجت کئے جاتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا (سب کا) رب ہے، اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کے لئے اپنے (دین) کو (شرک وغیرہ سے) خالص کر رکھا ہے۔''

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ

(الاعراف:۲۹)

''آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا، اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اس کی (یعنی اللہ کی) عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو، جس طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے شروع میں پیدا کیا تھا

اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہو گے۔"

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ o أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ أَوْلِيَآءَ م مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ o

(الزمر: ۲-۳)

"ہم نے ٹھیک طور پر اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے سو آپ (قرآن کی تعلیم کے موافق) خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیئے یاد رکھو عبادت جو کہ (شرک سے) خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں تو ان کے (اور ان کے مقابل اہل ایمان کے) باہمی اختلافات کا (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو (قولاً) جھوٹا اور (اعتقاداً) کافر ہو۔"

قُلْ إِنِّيْٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ o وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ o (الزمر: ۱۱-۱۲)

"آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو (منجانب اللہ) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اسی کے لئے خاص رکھوں، اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ کہہ دوں سب مسلمانوں میں

اول میں ہوں۔“

قُلِ اللّٰهَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّهٗ دِيۡنِىۡ ۙ فَاعۡبُدُوۡا مَا شِئۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡخٰسِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ۙ

(الزمر: ۱۴-۱۵)

”آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اسی کے لئے خاص رکھتا ہوں، سو خدا کو چھوڑ کر تمہارا دل جس چیز کو چاہے اس کی عبادت کرو، آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے، یاد رکھو کہ صریح خسارہ یہی ہے۔“

هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَـكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ رِزۡقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنۡ يُّنِيۡبُ ۙ فَادۡعُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ (المومن: ۱۳-۱۴)

”وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور (وہی ہے جو) آسمان سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے اور صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو (خدا کی طرف) رجوع (کرنے کا ارادہ) کرتا ہے سو تم لوگ اللہ کو خالص اعتقاد کر کے پکارو، گو کافروں کو ناگوار (ہی) کیوں نہ ہو۔“

هُوَ الۡحَـىُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ (المومن: ۶۵)

''وہی (ازلی وابدی) زندہ رہنے والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سوتم (سب) خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارا کروتمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا۔''

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ (البینة، ۴-۵)

''اور جو لوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجہ اولی) وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد (دین میں) مختلف ہو گئے، حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لئے خاص رکھیں (ادیان باطلہ شرکیہ سے) یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین (مذکورہ) کا (بتلایا ہوا)۔''

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء: ۱۴۵-۱۴۶)

''بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے اور (تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پاوے گا، لیکن جو لوگ توبہ کرلیں

اور اصلاح کرلیں اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لئے کیا کریں تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور مومنین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔"

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ج وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ج لَىٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝ (یونس : ۲۲)

"وہ (اللہ) ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے یہاں تک کہ (بعض اوقات) جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان (کی رفتار) سے خوش ہوتے ہیں (اس حالت میں دفعۃً) ان پر ایک جھونکا (مخالف) ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں (اٹھی چلی) آتی ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آگھرے (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ اے اللہ) اگر آپ ہم کو اس (مصیبت) سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس (موحد) بن جاویں۔"

احادیث میں بکثرت تنبیہ کی گئی ہے کہ چھوٹا یا بڑا جیسا بھی کام ہو اللہ تعالیٰ سے خصوصی مدد کے طالب کو چاہئے کہ وہ اپنی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے تنہا بلا شرکت غیرے مربوط کردے۔

(۱) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم يقول :"إذا صليتم على المیت فاخلصوا له الدعاء"

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم کبھی میت کے جنازے کی نماز پڑھو تو اس کے لئے یکسو ہو کر دعا کرو۔"

(۲) عن عطاء بن السائب عن ابيه قال: صلى بنا عمار بن ياسر صلاةً فاوجز فيها ، فقال له بعض القوم، لقد خففت أو أوجزت الصلاة ،فقال: أما على ذلك فقد دعوتُ فيها بدعوات سمعتهن من رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قام تبعه رجل من القوم ،هو أبی غير أنه كنى عن نفسه ، فسأله عن الدعاء ثم جاء فاخبر به القوم:

"حضرت عطا بن سائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ عمار بن یاسر نے نماز پڑھائی اور بہت مختصر سورتیں پڑھیں تو لوگوں نے کہا کہ تم نے ہلکی کر دی یا نماز کو مختصر کر دیا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس میں چند دعائیں ایسی کیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں، اور جب وہ اٹھ کر جانے لگے تو لوگوں میں سے ایک شخص ان کے پیچھے ہولیا (وہ میرے والد تھے، گرچہ انہوں نے اپنے نام کی صراحت نہیں کی بلکہ کنایہ سے کام لیا) اور اُن سے اس دُعا کے بارے میں پوچھا اور واپس آ کر لوگوں

کومطلع کیا۔ وہ دعا یہ ہے :

"اللهم بعلمك الغيب وقدرتك على الخلق احينى ما علمت الحياة خيرا لى وتوفنى اذا علمت الوفاة خيرا لى، وأسألك خشيتك فى الغيب والشهادة، وأسألك كلمة الحق فى الرضاء والغضب ، وأسألك القصد فى الفقر والغنى ، وأسالك نعيما لا ينفد، وأسألك قرة عين لا تنقطع وأسالك الرضا بعد القضاء واسالك برد العيش بعد الموت ،وأسالك لذة النظر إلى وجهك، والشوق إلى لقائك فى غير ضرّاء مضرة ولا فتنة مضلة، اللهم زينا بزينة الايمان ، وجعلنا هداةً مهتدين۔"

"اے اللہ تیرے علم غیب کے صدقہ میں اور مخلوق پر جو تیری قدرت ہے اس پر ایمان رکھتے ہوئے تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندہ رہنا بہتر ہو، اور اس وقت مجھے اٹھالے جب تیرے علم میں یہ ہو کہ میرا اٹھایا جانا بہتر ہے اے اللہ اپنی خشیت اور اپنا خوف میرے دل پر حاضر و غائب ہر حال میں غالب رکھ اور اے اللہ خوشی اور ناخوشی دونوں حال میں کلمۂ حق کہنے کی توفیق دے ، اور اے اللہ مفلسی ہو یا خوشحالی دونوں میں متوسط درجہ عطا فرما اور اے اللہ اپنی وہ نعمت عطا فرما جو ختم نہ ہو اور ایسی آنکھ کی ٹھنڈک نصیب ہو جو کبھی ضائع نہ ہو،

میں تیری رضا چاہتا ہوں جو تیرے فیصلہ کے بعد ہو، اور زندگی کی ٹھنڈک مانگتا ہوں موت کے بعد، اور تیرے چہرہ مبارک کو دیکھنے میں جو لذت ہے اس کو بھی مانگتا ہوں اور میرے اندر اس بات کا شوق عطا فرما کہ میں تیرے سامنے حاضر ہوں بغیر اس کے کہ کوئی تکلیف دہ بات کا رنج ہو، اور گمراہ کرنے والا فتنہ ہو اے اللہ ایمان سے میرے دل کو زینت بخش، اور اے اللہ مجھ کو راستہ دکھانے والا اور وہ شخص جس نے راستہ پالیا ہے ان میں داخل کر لے"

(۳) عن ابن عباس رضی الله عنهما:" ان رجلین اختصما الی النبی صلی الله علیه وسلم فسأل النبی صلی الله علیه وسلم المدعی البینة فلم یکن له بینة ، فاستحلف المطلوب فحلف بالله الذی لا اله الا هو، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم إنك قد فعلت، ولكن غفرلك باخلاصك قول لا اله الا الله ۔" (مسند احمد : ۲۲۸۰)

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو آدمی جھگڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کرانے کے لئے حاضر ہوئے ،آپؐ نے دعویٰ کرنے والے سے اس کا ثبوت طلب فرمایا اس کے پاس ثبوت نہیں تھا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیٰ علیہ سے قسم کھانے کو کہا تو اس نے قسم کھالی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ کرلیا لیکن تم کو بخش دیا گیا کیونکہ لا الہ الا اللہ کہنے میں تیرے اندر اخلاص پایا جاتا ہے۔"

(٤) عن ابی امامة الباهلی رضی الله عنه قال: جاء رجل إلی النبی صلی الله علیه و سلم فقال : أرأیت رجلا غزا یلتمس الاجر والذکر ماله ؟ فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم "لا شئی له" فاعاد ثلاث مرّاتٍ ، یقول له رسول الله صلی الله علیه وسلم "لا شئی له" ثم قال: إن الله لا یقبل من العمل إلا ما کان له خالصا وابتغی به وجهه۔"

"حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ آپ کیا حکم دیتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے جنگ میں شرکت کی اور اجر اور نیک نامی کا طالب ہوا، رسول اللہؐ نے فرمایا اس کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اس کے اندر اخلاص نہیں تھا شہرت طلبی کی خواہش تھی اور اس بات کو تین مرتبہ دہرایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو کچھ نہیں ملے گا، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خاص اسی ذات پاک کے لئے ہو اور اس میں کوئی دوسرا مقصد نہ ہو (عوام سے نذرانہ، ان کی ستائش کی خواہش، اور اپنی منقبت کرانے کی تمنا)"

اِبتہال

ابتہال دعا کی کیفیت کا نام ہے، جس کو اردو میں آپ گڑگڑانے سے تعبیر کر سکتے ہیں، لرزنا اور گڑگڑانا، سجدہ ریز ہونا اور دعائیں کرنا اور ہر مہم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطاء و بخشش کا سہارا طلب کرنا اسوۂ نبی میں داخل ہے، بلکہ اسوۂ نبی کی روح ہے، اس لفظ کے ساتھ دوسرے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جیسے ''اخبات'' اور ''تضرع''۔ انسائیکلوپیڈیا نے پہلے ان الفاظ پر لغوی بحث کی ہے کہ یہ لفظ اصل میں کیا تھا اور کہاں سے یہ معنی پیدا ہوئے اور ان کا صحیح مفہوم کیا ہے، جہاں تک صحیح مفہوم کا تعلق ہے وہ ہمیں بھی مطلوب اور ہمارے قارئین کو بھی اس سے فائدہ متوقع ہے، اب رہی لغوی بحث تو ''تضرع'' ضرع سے نکلا ہے اور ضرع کے معنی تھن کے ہیں، بکری، گائے، اونٹنی جس کا بھی ہو، ان جانوروں کے شیر خوار جب ماں کے تھن سے اپنا منھ لگاتے ہیں تو سر، زمین پر رکھ کر یا سر کو گرا کر تھن سے لگ جاتے ہیں، تضرع اسی کیفیت کا نام ہے اور بندہ اپنے آپ کو اللہ کے آگے حقیر، بے دست و پا اور سراپا محتاج سمجھتا ہے، لہٰذا اس کی لفظی تحقیقات جو انسائیکلوپیڈیا کی کتابوں کے لئے موزوں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والوں اور آپ کے اسوہ کو سمجھنے کی کوشش کرنے والوں کے لئے چنداں ضرورت نہیں، ہم کو مضامین سیرت کے سلسلہ میں ان کا ایک وہ مفہوم جو عام اور سب کے نزدیک قابلِ تسلیم ہے بیان کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نجران کے

نصرانی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے، یہ چودہ نفر تھے، جو وہاں کے اشراف شمار ہوتے تھے، اور انہیں میں ان کا سردار تھا جوان کا ترجمان اور وفد کا سربراہ تھا اور دوسرا اس کا نائب جس کو عاقب کہا جاتا ہے حاضر تھا اور وہ بھی صائب رائے سمجھا جاتا تھا، ان دونوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ، ان دونوں نے کہا کہ ہم اسلام لے آئے آپؐ نے فرمایا کیا تم اسلام لے آئے؟ انھوں نے کہا ہاں ہم آپ سے پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو دونوں جھوٹے ہو تمہارے اندر تین باتیں ایسی ہیں جو تم کو اسلام سے روک رہی ہیں، ایک تو صلیب کی عبادت، دوسرے تمہارا سور کھانا، اور تیسرے یہ کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے، اور اللہ نے قرآن میں کہا ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۔ (آل عمران:۵۹)

"بے شک حالت عجیبہ (حضرت) عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشابہ حالت عجیبہ (حضرت) آدمؑ کے ہے کہ ان کے (قالب) کو مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم دیا کہ (جاندار) ہو پس وہ (جاندار) ہو گئے۔"

جب یہ آیت ان کے سامنے پڑھی گئی تو کہنے لگے کہ ہمیں پتہ نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو پھر یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ

(آل عمران:۶۱)

"پس جو شخص آپ سے عیسیٰ کے باب میں (اب بھی) حجت کرے، آپ کے پاس علم (قطعی) آئے پیچھے۔"

فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تم سے حجت کرے جب کہ قرآن میں آیت نازل ہو چکی ہے، اس سے کہو:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ کُمْ وَ نِسَاءَ نَا وَ نِسَاءَ کُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔ (آل عمران:۶۱)

''تو آپ فرما دیجئے کہ آ جاؤ ہم (اور تم) بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور پھر خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو (اس بحث میں) ناحق پر ہوں''

لفظ ''نبتھل'' کا استعمال قرآن میں دکھلاتا تھا کہ اس کے معنی پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے اور اس کے عدل پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ پھیلانا اور گڑگڑانا ہے۔

اسی لفظ کے ہم معنی ''تضرع'' کا لفظ بھی ہے جس کے لئے ابھی ہم نے علمائے لغت کی تشریحات کو نقل کیا ہے، اس کے اصل معنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے آگے پوری یکسوئی کے ساتھ اور دلجمعی کے ساتھ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ دعا کرنا او رمانگنا ہے اس لفظ کا استعمال اور احادیث سے اس کی تطبیق ہم مسلمانوں کے لئے ایک اعلیٰ ترین اسوہ ہے۔ حسب ذیل احادیث اس سلسلہ میں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ ہوتے ہوئے جب منیٰ پہنچے تو تین دن تین رات قیام فرمایا جن کو ایام تشریق کہا جاتا ہے، زوال کے بعد آپ رمی جمار فرماتے اور ہر جمرہ پر

اللہ اکبر کہہ کر کنکر پھینکتے اور دوسرے جمرات پر پہنچ کر دیر تک قیام فرماتے اور گڑگڑا کر دعا کرتے اور اسی کو ''تضرع'' کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ عید کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خاکساری، بے نفسی، اور تواضع کے ساتھ نکلتے اور راستے بھر دعا فرماتے، (وہ دعا جو تضرع کہلاتی ہے یعنی انتہائی الحاح کے ساتھ۔ الی آخر الحدیث)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی تضرع کے ساتھ نمازوں میں دعا کرتے تھے۔

''اللھم انی اعوذبك من عذاب القبر و اعوذبك من فتنة المسيح الدجال واعوذبك من فتنة المحياء وفتنة الممات''

''اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنے سے اور زندگی اور موت کے جو فتنے ہیں ان سے تیری پناہ مانگتا ہوں''

۴۔ بدر کے موقع پر آپؐ کی جس دعا کا اوپر ذکر کیا گیا وہ حضرت عمرؓ کی ایک روایت میں اس طرح درج ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بدر کا دن آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا ان کی تعداد تین سو یا اس سے زیادہ تھی اور مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار سے زیادہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ ہو گئے اور اپنا ہاتھ اٹھایا، اس وقت آپ کے جسم مبارک پر چادر اور تہمد تھی، پھر کہا اے میرے اللہ اب وقت آ گیا ہے جو تو نے وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دے، اے اللہ جو تو نے وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا کر، اے اللہ دین اسلام کا یہ چھوٹا سا گروہ ہلاک ہو گیا تو

روئے زمین پر تیری عبادت نہیں ہو گی۔(پہلے جو حدیث نقل کی گئی تھی اس میں "العصابة" کی جگہ "الفئة" تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے اسی طرح فریاد کرتے رہے روتے رہے اور گڑگڑاتے رہے اور دعا کی وہ کیفیت آپ پر طاری ہوئی کہ آپ کے شانہ مبارک سے چادر گر گئی، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے آپ کی چادر اٹھا کر دوبارہ اڑھا دیا اور پیچھے کی جانب چپک گئے اور کہا اے اللہ کے نبی اللہ سے آپ کی فریاد کافی ہو چکی وہ یقیناً اپنے وعدے کو پورا کرے گا ــــــ یہ آیت اسی موقع کی یاد دلاتی ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۔ (الانفال:۹)

"(اس وقت کو یاد کرو) جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) تمہاری سن لی، کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آویں گے۔"

ابتہال کی یہ کیفیت تمام احادیث کی کتابوں میں نیز "زاد المعاد" میں تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔

۵۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی آتی تو آپؐ کے رخ انور کے نزدیک سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی جیسی آواز سنی جاتی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز جس وقت آپؐ پر وحی آ رہی تھی تو ہم وہاں کچھ دیر کے لئے کھڑے ہو گئے، جب آپ کے چہرۂ مبارک سے وہ اثرات ختم ہوئے تو ہم لوگوں نے دیکھا کہ آپ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر انتہائی تضرع کے ساتھ یہ دعا کر رہے تھے۔

اللھم زدنا ولا تنقصنا، واکرمنا ولا تھنا، واعطنا ولا تحرمنا وآثر نا ولا توثر علینا وارضنا وارض عنا

''اے اللہ اپنے فضل کا مجھ پر اضافہ فرما کمی نہ فرما، ہمیں عزت دے رسوا نہ کر، ہمیں عطا فرما محروم نہ رکھ، ہمیں ترجیح دے ہمارے اوپر کسی کو غالب نہ کر، اے اللہ اپنی عطاء و بخشش سے ہمیں راضی رکھ اور ہم سے راضی رہ۔''(۱)

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی افتاد پڑتی یا کسی مشکل میں پڑ جاتے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرماتے، سبحان اللہ العظیم، اور جب دعا میں کاوش جگری سے منہمک ہوتے تو فرماتے یا حی یا قیوم۔

۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ کسی سخت کام میں بے چارگی اور مایوسی کے حالات دیکھتے تو فرماتے:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ الْعَلِيْـمُ الْحَكِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْـعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

❁ ❁ ❁

---

(۱) یہ روایت ترمذی اور مسند احمد بن حنبل میں ہے شیخ احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

اِخبات

اِخبات کے معنی ہیں خضوع اور تذلل یعنی اپنے آپ کو بہت محتاج، بے یار ومددگار سمجھنا اور اپنی پستی کا اعتراف واظہار کرنے کے ساتھ ساتھ محبت اور تعظیم کا معاملہ کرنا۔

امام ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ اخبات سکون دل کے مقامات میں اول درجہ پر ہے، جیسے، سکینہ، یقین، اللہ پر پورا بھروسہ، اور اخبات کی ابتداء اور اس کی شروعات اللہ کے آگے جھکنے اور بار بار فریاد کرنے کے حکم میں ہے۔

لہذا، اخبات جب اللہ کی طرف رجوع کرنے کا پہلا درجہ ہے تو اللہ کی طرف مائل ہونے والا اور اس کی رضا کی جستجو کرنے والا اور اس کی عطا وبخشش پر یقین کرنے والا اپنا سہارا اخبات کو سمجھتا ہے۔

ابن قیم "مدارج السالکین" میں لکھتے ہیں کہ اخبات کے تین درجے ہیں:

۱۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ پاک دامانی خواہشات کو ڈھک دے یعنی نفس کی کوئی خواہش ایسی نہ ہو جو اللہ جل شانہ کے عطا کردہ مقام صدق وحیا سے پیوست ہے۔

۲۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ قوت عزم غفلت کا مقابلہ کرے۔

۳۔ اور آخری یہ کہ طلب صادق سکون دل کو اپنی طرف مائل کرے۔

''عصمت'' کے معنی حمایت اور حفاظت کے ہیں، اور ''شہوت'' کے معنی نفس کے مطالبوں پر مائل کرنے والی چیز، اور ''استغراق'' کسی چیز کا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ کیفیت چھا جائے اور غالب آجائے۔

"اخبات" کا لفظ قرآن کریم میں ان آیات میں وارد ہوا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

(ھود:۲۳)

"بیشک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے اچھے کام کئے، اور دل سے اپنے رب کی طرف جھکے، ایسے لوگ اہل جنت ہیں، اور اس میں ہمیشہ رہا کریں گے"۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ (الحج:۳۴)

"اور (جتنے اہل شرائع گذرے ہیں ان میں سے) ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان (مخصوص) چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے سو (اس سے نکل آئی کہ) تمہارا معبود (حقیقی) ایک ہی خدا ہے تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو آپ (ایسے احکام الہیہ کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو (جنت وغیرہ کی) خوشخبری سنا دیجئے"۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (الحج:۵۴)

"اور تا کہ جن لوگوں کو فہم (صحیح) عطا ہوا ہے وہ (ان اجوبہ

اور نورِ ہدایت سے اس امر کا) یقین کرلیں کہ یہ آپ کے رب کی
طرف سے حق ہے ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر اس کی
طرف ان کے دل (اور بھی) جھک جاویں اور واقعی (ان)
ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ (ہی) راہ راست دکھلاتا ہے"۔

"دل کا جھک جانا" "اخبات" کا ترجمہ ہوا۔

جن احادیث نبویہ میں "اخبات" کا لفظ آیا ہے اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات اور عادات شریفہ میں داخل تھا اور جس کے ہم معنی الفاظ اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں، اس میں یہ حدیثیں اور دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا جزء ہیں۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما ، قال: كان النبی صلی الله علیه وسلم یقول : "رب أعنی ولا تعن علیّ ، أُنصرنی ولا تنصرعلیّ ، وامكرلی ولا تمكرعلی واهدنی ویسر الهدی لی ، وانصرنی علی من بغی علی ، رب اجعلنی لك شكّارا ، لك ذكّارا، لك رهّابا، لك مطواعا ، لك مخبتا الیك اوّاها منیبا، رب تقبل توبتی ، واغسل حوبتی ،واجب دعوتی وثبّت حجتی ، وسدّد لسانی واهد قلبی ، واسلل سخیمة صدری۔"

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ میری اعانت فرما، اور ہمارے خلاف کسی کو ڈھیل نہ دے،

ہماری مدد فرما اور ہمارے خلاف کسی کو نہ اٹھا، ہمارے لئے تدبیر فرما اور دوسروں کی تدبیریں جو میرے خلاف ہوں اس کو کامیاب نہ ہونے دے اے اللہ مجھے ہدایت عطا فرما، اور راہ راست پر چلنا آسان کر، اے اللہ میری مدد فرما اس شخص کے مقابلہ میں جو میرے خلاف بغاوت کرے، اے میرے رب مجھ کو اپنا بہت ہی شکر گذار بندہ بنالے، اور بہت ذکر کرنے والا، اور تجھ سے بہت ہی ڈرنے والا، اور تیری پوری پوری اطاعت کرنے والا، اور تیری طرف گڑ گڑا کر ہاتھ پھیلانے والا اے میرے رب میری توبہ قبول فرما اور میری لغزشوں کے داغ دھو دے، اور میری دعوت کو قبول فرما، اور میری طلب کو یقینی بنادے، اور میری زبان کو مکمل بات اور صحیح بات کرنے کا عادی بنادے اور میرے سینے سے حسد و کینہ کو دور رکھ"۔

یہ کیفیات جو اس دعائے ماثورہ میں مطلوب ہیں وہی ایمان کی روح اور تصوف کی جان ہے، کہ دل تمام بغض وحسد، نفرت و کراہیت سے پاک ہو جائے، نیز نہ کوئی تمنا باقی رہے، نہ کوئی خواہش رہے، سب خواہشیں اور سب تمنائیں حق تعالیٰ جل شانہ کی مرضیات کے تابع ہو جائیں، اس کو قرآن اور حدیث کی اصطلاح میں "اخبات" کہتے ہیں اور یہ لفظ تواضع اور ابتہال کا ہم معنی ہے۔

روایات و آثار بسلسلہ "اخبات"

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ" کے سلسلہ میں فرمایا مخبتون جن کے بارے میں آیا ہے متواضع لوگ ہیں، الاخفش نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں ڈرنے والا۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں "هم المصلون المخلصون"

۲۔ابن جریر اور ابوالشیخ کہتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں کہا "اَخۡبَتُوۡا اِلٰی رَبِّهِمۡ" "يعني اطمأنوا" جن کو عبادت میں سکون قلب حاصل ہو گیا۔

۳۔طبری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "الاخبات" کا مفہوم "انابة الى الله" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن مائل ہونا، لہذا "اَخۡبَتُوۡا اِلٰی رَبِّهِمۡ" کی تفسیر خود قرآن میں ہے "وَاَنَابُوۡا اِلٰی رَبِّهِمۡ"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا یہ رخ کہ جہاں آپ نے احکام الٰہی بتائے، ممنوع باتوں سے باز رہنے کی تاکید فرمائی، وہاں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن یکسو ہو کر گریہ وزاری کے ساتھ، تواضع وانکساری کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے۔

اس کے لئے آیات واحادیث میں جو صفات آئی ہیں ان کی لفظی تحقیق کہ کہاں سے نکلے اور کیونکر ان معانی میں بولے جانے لگے، حسب ذیل الفاظ میں ان کو تعبیر کیا گیا ہے۔

تواضع، خشوع، خشیت، خوف، رہبہ، سکینت قلب، الضرع والتضرع، طمانیت، قنوت، الیقین۔

اور ان کے ضد اصطلاحات جو ان کیفیات کو ختم کر دیتی ہیں۔

اعراض، اصرار علی الذنب، جزع، تکبر، خود پسندی، ناراضگی (خدائی احکام سے) بے چینی اور قنوط۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ "قنوت" اللہ کی طرف مائل ہونے کو کہتے ہیں اور "قنوط" اللہ کی عطا و بخشش سے ناامید ہونے کو کہا جاتا ہے۔

اعاذنا الله والمسلمين منه

احتساب

مضامین سیرت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونی کیفیات، باطنی تشخص کا اندازہ گذشتہ باب سے ہوگا، کہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے یا کوئی افتاد پڑتی، کوئی بشری حاجت سامنے آتی اور حصول مطلب کے ذرائع مسدود ہوتے تو آپؐ دعا و ابتہال، تواضع و اخبات سے کام لیتے، اور یہ آپؐ کی زندگی کا شعار تھا، اور یوں بھی بغیر کسی وقتی اور عارضی طلب کے قلب کو مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنے کا اسوہ اپنی جگہ پر ہے۔ یہ کیفیات غزوات و سرایا معاملات اور احکام، اوامر اور نواہی سے کم نہیں تھیں، احادیث میں ایک مستقل باب کی شکل میں تو نہیں لیکن مختلف عناوین کے تحت متفرق مقامات پر ان کیفیات کا ذکر ہے، جن کا تعلق انسان کے باطن سے ہے، روح سے ہے، شعور اور احساس سے ہے، شعور اور احساس کی تربیت میں جو خصائل مرکزی حیثیت رکھتے ہیں وہ بھی مضامین سیرت کا حصہ ہیں، گذشتہ اوراق میں ابتہال اور اخبات اور تضرع کے ضمن میں جن آیات و احادیث و آثار کا بیان گذرا ہے اسی سلسلہ کی ایک کڑی احتساب بھی ہے، یہ لفظ کئی معنی میں وارد ہوا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ایک تو تکلیف دہ چیز پر صبر کرنا، خاص طور پر اگر کسی کے یہاں جوان بیٹے کی موت ہوگئی ہو۔

۲۔ اللہ سے اجر کی طلب اور اس کی عطا و بخشش پر پورے یقین کے ساتھ اور اخروی نعمتوں کے حصول پر یقین رکھتے ہوئے احکام الٰہی پر عمل کرنا جیسا کہ روزۂ رمضان کے بارے میں آیا ہے کہ جس شخص نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے

عطا کردہ ثواب پر یقین رکھتے ہوئے روزے رکھے اللہ اس کے تمام سابقہ گناہوں کو بخش دے گا۔من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه۔

(رواہ بخاری)

۳۔حق تعالیٰ جل شانہ کی عطا و بخشش کی امید اس وقت رکھنا اور اس کی مدد پر یقین رکھنا، جب کہ حالات ساز گار نہ ہوں، اور مصیبتوں کا پہرہ ہو اور انسان اپنی بے بسی محسوس کر رہا ہو اس وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی مصلحت پر ایمان رکھنا۔

قرآن کریم میں یہ لفظ ان تین معنوں میں نازل ہوا ہے۔

ایک حسن ظن یا مطلق گمان کرنا، دوسرے وہاں سے انعامات کا حصول جہاں ذہن کام نہیں کرتا اور نہ اس کو توقع تھی کہ مصائب کے بادل یک بیک چھٹ جائیں گے اور رزق کے ذرائع مسدود تھے وہ یکا یک کھل جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۝ (الطلاق:۳)

"اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

تیسرے معنی ہیں کفایت کرنا، کہ اللہ میری تمام ضروریات کی کفایت کرنے والا اور جہاں سے ہم سوچ نہیں سکتے وہاں سے دینے والا ہے اور ایسے دروازے کھولنے والا ہے جس کے کھلنے کی کوئی توقع نہیں تھی، اسی معنی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(الانفال:۶۴)

"اے نبی آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ (کافی ہیں) یعنی اللہ تمہاری کفایت کرے

اوران کی جوتمہارے تابع ہیں۔"

اورقرطبی کا کہنا ہے،"کافیك اللّٰہ و کافی من اتبعك" اللہ تمہاری کفایت کرے گا اور ان کی کفایت فرمائے گا جو تمہارے تابع ہیں، معلوم ہوا کہ احتساب کے معنی کفایت کرنے کے ہیں، اور کفایت کا مفہوم آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ کفایت کرنے والا دراصل آپ کی ضروریات کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، جہاں آپ کے ناخن تدبیر ناکام رہتے ہیں وہاں کفایت، سرپرستی اور غیبی مدد کے دروازے کھول دیتا ہے، اور یہ اعتماد ویقین اگر انسان کی طبیعت ثانیہ بن جائے تو یہ ہر غم کا مداوا ثابت ہوتا ہے اور اسی کو"احتساب" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝

(آل عمران: ۱۷۳)

"سو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور (انہوں نے) کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔"

تفسیر قرطبی میں اس کے معنی یہ بھی دیئے ہیں کہ اللہ ہماری کفالت فرمانے والا ہے احتساب کے ذریعہ سے۔ حسبك کا صحیح مفہوم اس جاہلی شعر سے بھی ادا ہوتا ہے۔

فتملأ بيتنا أقطاً وسمنا

وحسبك من غنى شبع وريّ

"آپ بھر دیں گے میرے گھر کو گھی اور پنیر سے، اور خوشحالی کے لئے اتنا کافی ہے کہ پیٹ بھرا ہوا ہو اور پیاس سے سیرابی حاصل ہو"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انھوں نے یہی کہا تھا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ اس وقت استعمال فرمایا جب کہ منافق آپ کے چاروں طرف گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ (آل عمران: ۱۷۳)

''یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہئے سو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا، اور (انھوں نے) کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے''۔

تفسیر طبری میں ہے کہ لوگوں سے مراد کون ہیں اور ان کے ساتھی کون ہیں وہ سب اکٹھا ہو کر اسلام کے خلاف سازش کر رہے تھے، یہ آیت کریمہ اسی موقع پر نازل ہوئی۔

اسی طرح یہ آیت:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ٥ (توبہ: ۱۲۹)

''پھر اگر یہ روگردانی کریں، تو آپ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) کہ میرے لئے (تو) اللہ تعالیٰ (حافظ وناصر) کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا، اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے''۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ اگر آپ سے پیٹھ پھیر لیں تو کہئے (اس دعا کی تکرار کیجئے) اللہ میرا سہارا اور کفالت کرنے والا ہے، جب زخموں پر کوئی مرہم رکھنے والا نہ ہو، جب اپنے پرائے روگردانی کرنے لگیں، جب عین کسمپرسی کا عالم ہو، اس وقت اللہ کی نصرت چارہ ساز ہے، یہ کیفیت یقین بن جائے، اور روئیں روئیں اس کی شہادت دینے لگیں، اور اللہ تعالیٰ کی کفایت کا یقین قلب میں سکون وطمانیت عطا کرے، یہی معنی ہیں "حسبنا اللّٰہ" کے، اس کے اندر ایک مرد مومن کے لئے بڑی طاقت ہے، وہ بوریائے فقر پر بیٹھنے والا شاہان وقت کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا احتساب کا یہی مفہوم ہے جس کی تائید ان آیات واحادیث اور آثار صحابہؓ سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناصر وحامی ہونے کے مفہوم میں:

۱- وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَالَّذِىْ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال:۶۲)

"اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے، وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد ملائکہ سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی۔"

۲- يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال:۶۴)

"اے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے (وہ کافی ہیں)۔"

۳- وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ، وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى

اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ ۞ (التوبہ:۵۹)

"اور (ان کے لئے بہتر ہوتا) اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے، جو کچھ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور (یوں) کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو (اور دے گا، اور اس کے رسول دیں گے ہم (اول سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں"۔

۴- وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۞ (الزمر:۳۸)

"اور اگر (آپ) ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے آپ (ان سے) کہیے کہ بھلا پھر یہ تو بتلاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ (اس سے ثابت ہو گیا) میرے لئے خدا کافی ہے، توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں"

احتساب کا مفہوم دوسری آیتوں میں

قرطبیؒ نے اس طرح کی آیات کو بڑی وسعت کے ساتھ نقل کیا ہے، ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد میں متعدد مقامات پر ان آیات کو نقل کیا ہے جن میں احتساب کے

معنی دوسرے الفاظ میں مذکور ہیں، مثلاً:

مصائب پر صبر کرنے کے معنی میں

۱- اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۶،۱۵۷)

''ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال واولاد حقیقۃً) اللہ تعالیٰ ہی کے ملک میں ہیں اور ہم سب (دنیا سے) اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور سب پر (بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی''۔

۲- وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۝ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَالَا یَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝ (النساء:۱۰۴)

''اور ہمت نہ ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں اگر تم الم رسیدہ ہو تو وہ بھی تو الم رسیدہ ہیں جیسے تم الم رسیدہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ بڑے حکمت والے ہیں''۔

۳- وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ

عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

(الرعد:۲۲-۲۴)

''اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے رب کی رضامندی کے جویا رہ کر مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے، اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں، اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں، اس جہاں میں نیک انجام انہی لوگوں کے واسطے ہے (یعنی) ہمیشہ رہنے کی جنتیں جن میں وہ لوگ بھی داخل ہوں گے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق ہوں گے (وہ بھی داخل ہوں گے) اور فرشتے ان کے پاس ہر (سمت کے) دروازے سے آتے ہوں گے (اور یہ کہتے ہوں گے کہ) تم صحیح سلامت رہو گے، بدولت اس کے کہ تم (دین حق پر) مضبوط رہے تھے، سو اس جہاں میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے۔''

طاعت کے معنی میں:

۴- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ (البقرة:۲۰۷)

''اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ (ایسے) بندوں (کے حال) پر نہایت مہربان ہیں''۔

۵- اِنَّ الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِى سَبِيْـلِ الـلّٰهِ اُوْلٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ (البقرہ:۲۱۸)

''حقیقتاً جولوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو، اور جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ (اس غلطی کو معاف کردیں گے (اور تم پر) رحمت کریں گے۔''

وہ احادیث جن میں احتساب کا لفظ طاعت کے معانی میں وارد ہوا ہے:

۱- عـن ابی کـعب رضی الله عنه ، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ''أن اللّٰه عزوجل فرض صیام رمضان وسننت قیامه، فمن صامه و قامه احتسابا خرج من الذنوب کیوم ولدته امه'' (مسلم:۱۰۰۲)

(مسند احمد بن حنبل ۳/۲۶۰)

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کئے اور میں نے قیام رمضان کی سنت قائم کی، لہذا جو رمضان کے روزے رکھے گا اور قیام لیل کرے گا اللہ تعالیٰ کے ثواب کی نیت سے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر نکلے گا جیسے اس دن پاک تھا جب کہ اس کی پیدائش ہوئی تھی''۔

۲- عـن ابی مسعود البدری ، رضی الله عنه عن الـنبی صـلـی الـله علیه وسلم قال: إن المسلم اذا

أنفق على أهله نفقةً وهو يحتسبها كانت له صدقة (مسلم۱۰۰۲)

''حضرت ابو مسعود البدری رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک مسلمان جب اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اور اس کو امید ہوتی ہے کہ اللہ اس کا بدلہ دے گا تو اس کا یہ خرچ بھی صدقہ بن جاتا ہے (یعنی اس کو وہی ثواب ملے گا جو صدقہ دینے والے کو ملتا ہے)''

۳- عن ابی هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من اتبع جنازة مسلم ايمانا واحتسابا وكان معه حتى يصلى عليها و يفرغ من دفنها فإنه يرجع من الاجر بقيراطين، كل قيراط مثل أحد ومن صلى عليها ثم رجع قبل أن تدفن فإنه يرجع بقيراطٍ۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک مسلمان کے جنازہ کے پیچھے پیچھے چلا اور اس کا یہ عمل اللہ پر ایمان اور ثواب کی امید میں ہوا، اور جنازہ کے ساتھ اس وقت تک رہا جب کہ اس کی نماز پڑھی گئی اور اس کے دفن سے لوگ فارغ ہو گئے تو وہ دو قیراط کے برابر اجر لے کر گھر واپس آئے گا (پہاڑ کے بجائے لفظ قیراط آیا ہے اور اس کے معنی یہاں پر پہاڑ کے ہیں) اور ہر قیراط کوہ احد کے برابر ہوگا اور جس نے اس کی جنازہ کی نماز پڑھی اور اس کے دفن سے پہلے ہی

واپس آ گیا تو اس کو ایک قیراط کا ثواب ملے گا (یعنی ایک پہاڑ کے برابر)"

۴- عن ابی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من صام رمضان ايمان واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه، ومن قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے پورے رمضان کا روزہ، اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے ثواب کی نیت سے رکھا اس کی زندگی میں کئے ہوئے سب گناہ معاف ہو گئے اور جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان اور امید ثواب میں جگتا رہا تو اس کی زندگی کے سب گناہ اللہ نے بخش دیئے۔"

اللہ کے لئے مصائب کا برداشت کرنا

مصائب کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں صبر کرنا اور اجر کی امید رکھنا بھی احتساب کا ایک مفہوم ہے، اس سلسلہ کی چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱- عن اسامة رضی الله عنه قال: أرسلت ابنة النبی صلى الله عليه وسلم اليه أن ابناً لی قبض فاتنا، فأرسل يقرئ السلام ويقول: ان لِلّٰه ما اخذ وله ما اعطى وكلٌّ عنده بأجل مسمى فلتبصر ولتحتسب............الحديث۔

"حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے انہیں بلوا بھیجا اور کہا کہ میرا ایک لڑکا فوت ہو گیا ہے آپ تشریف لائیں، تو آپؐ نے اپنا سلام کہلایا اور کہا اللہ ہی کا تھا جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا، اور ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے، لہذا صبر کریں اور اللہ سے اجر کی امید رکھیں"۔

اس حدیث میں "تحتسب" کا لفظ اس مفہوم کو ظاہر کر رہا ہے کہ احتساب کے معنی اللہ کی رضامندی کے لئے اطاعت اور اللہ کی خوشنودی کے لئے صبر کرنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تربیت تھی کہ جو حضرت اسامہؓ کے قول سے ظاہر ہوتی ہے۔(بخاری-الفتح الربانی ۳/۱۲۸۴)

۲- عن حميد قال: سمعت انسا يقول: اصيب حارثة يوم بدر، وهو غلام فجاء ت أمه إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله قد عرفت منزلة حارثة منى، فان يك فى الجنة أصبر واحتسب، و إن تكن الأخرى ترى ما أصنع؟ فقال: ويحك، او هبلت، او جنة واحدة هى؟ انها جنان كثيرة وانه لفى جنة الفردوس۔

"حضرت حمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ بدر کے دن حارثہ شہید ہوئے، اور وہ لڑکے تھے ان کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں آپ کو حارثہ سے میرا تعلق معلوم ہے اگر وہ جنت میں ہے تو

صبر کروں گی اور اللہ کے اجر پر یقین رکھوں گی اور اگر دوسری بات ہے تو بتایئے میں کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تجھ کو سمجھے (راوی کو اشتباہ ہے) کہ فرمایا یا ھبلت (جس کے معنی ہیں صدمہ سے دماغ پر اثر پڑ جانا) او جنة واحدة هي؟ کیا ایک باغ؟ نہیں، بہت سے باغات ہیں اور وہ (جو جنگ میں شہید ہوئے) جنت الفردوس میں ہے"

(بخاری-الفتح الربانی ۵۰۶۵/۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ بیٹے کے مرنے سے کیا تیرا دماغ جاتا رہا کہ ایسے الفاظ استعمال کر رہی ہو، وہ تو یقیناً انشاء اللہ جنت میں ہوگا اور جنت میں ایک نہیں بلکہ متعدد جنتیں ہوں گی۔

۳- عن ابی قتادة رضی الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قام فيهم فذكر لهم" أن الجهاد فی سبيل الله والإيمان بالله أفضل الأعمال" فقام رجل فقال: يا رسول الله أرأيت ان قتلت فی سبيل الله تكفر عنی خطاياى؟ فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم" نعم، ان قتلت فی سبيل الله وأنت صابر محتسب مقبل غير مدبر، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، كيف قلت، قال: أرأيت ان قتلت فی سبيل الله أتكفر عنى خطايائى ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم وانت صابر محتسب مقبل غير مدبر، إلا الدّين

، فإن جبرئيل عليه السلام قال لي ذالك۔

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے کے افراد کے سامنے خطاب فرمایا اور ان سے کہا اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ پر ایمان تمام اعمال میں افضل ہے، ان لوگوں میں سے ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ کا کیا اندازہ ہے اگر میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا گیا تو میرے گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، اگر تم اللہ کے راستے میں قتل کیے گئے اور تم صبر کرنے والے ہو اور احتساب کرنے والے یعنی اللہ کی عطا وبخشش پر یقین رکھ کر صبر کرنے والے اور جنگ میں بڑھ کر حصہ لینے والے پیچھے مڑ کر بھاگنے والے نہیں ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ابھی کیا پوچھا تھا اس نے عرض کیا کہ میں نے پوچھا تھا کہ آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ رسول اللہ نے فرمایا اگر تم اللہ کے راستے میں (مقابلہ کر رہے ہو اور صبر کے ساتھ اور ثواب کی نیت کے ساتھ بڑھتے ہو نہ کہ بھاگتے ہو) تو اللہ تعالیٰ سوائے قرض کے معاف کر دے گا۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے یہی کہا۔''

اسی طرح کی سترہ حدیثیں زاد المعاد اور انسائیکلو پیڈیا میں یکجا درج ہو چکی ہیں، احتساب یا دوسرے صفات کی احادیث دو طرح کی ہیں ایک تو وہ حدیثیں ہیں جن میں احتساب کا لفظ آیا ہے اور دوسری وہ حدیثیں ہیں جن کا مفہوم وہی ہے جو

احتساب کا ہے، مگر احتساب کا لفظ اس میں داخل نہیں ہے اور مجموعی مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صبر کے ساتھ احتساب کا لفظ بھی وارد ہوا ہے، اگر کوئی پوچھے کہ صبر اور احتساب میں کیا فرق ہے تو یوں وضاحت کی جاسکتی ہے کہ جب کوئی افتاد پڑے موت، مرض اور قرض کی تو آدمی اللہ کی مشیت اور مرضی کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی رضا پر سر تسلیم ختم کر دے، اور اللہ سے اجر کی امید رکھے، یہ تو وہ صبر ہوا جس کی تعریف میں کہا گیا ہے "ان اللہ مع الصابرین" اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے کوئی مصیبت نہیں پڑی ہے کوئی افتاد نہیں پڑی ہے بلکہ خود سے ایسا کام کر رہا ہے جس سے نفس کو مشقت محسوس ہو جیسے روزۂ رمضان یہ انسان خود اپنی مرضی سے ادا کرتا ہے کوئی آسمانی یا زمینی آفت اس کو مجبور نہیں کرتی، راہِ مولیٰ میں جہاد کرنا، شہید ہونا، یا زخمی ہونا، ان سب سے اگر وہ نہ چاہتا تو بچا رہتا مگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے اوپر آپ تکلیفیں جھیلتا ہے، یہ احتساب ہوا، اور بعض مقامات میں احتساب صبر ہی کے معنی میں وارد ہوا ہے، مگر یہ شاذ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کے دو نمونے ملتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں سب سے بڑا حادثہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا ہوا اور آپ کی ہر موقع پر پشت پناہی کرنے والے اور آپؐ کے لئے سب کا مقابلہ کرنے والے چچا ابوطالب کا انتقال ہوا، ان سب پر آپؐ نے صبر کیا اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مصائب آتے رہے اور وہ جزع وفزع ماتم اور شیون کے بجائے اللہ کی مرضی پر راضی رہے، یہ صبر ہوا، نیز ناپسندیدہ چیزوں کو دین کی خاطر برداشت کیا، مرغوبات کو ترک کیا، مالوفات سے روگردانی کی، سیرتِ نبویؐ کا یہ بھی ایک اہم باب ہے، اور مضامین سیرت میں ان اندرونی کیفیات کا ہونا اور اس کو عام

کرنا اور اس کی ترغیب دینا ثابت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں احتساب کے عملی واقعات میں سے چند احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال: دخلت علی النبی صلی الله علیه وسلم وهو یوعك فوضعت یدی علیه فوجدت حره بین یدی، فوق اللحاف فقلت: یارسول الله ما اشدها علیك!قال: "أنا كذلك یضعف لنا البلاء، ویضعف لنا الاجر" قلت یا رسول الله ای الناس اشد بلاء؟ قال: "الانبیاء" قلت یا رسول الله !ثم من؟ قال ثم الصالحون، إن كان احدهم لیبتلی بالفقر، حتی ما یجدأحدهم إلا العباءة یحوّیها وإن كان أحدهم لیفرح بالبلاء كما یفرح أحدكم بالرخاء"

"حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ بخار کی شدت میں تھے اور لیٹے ہوئے تھے میں نے اپنا ہاتھ آپؐ کے جسد اطہر پر رکھا تو میرا ہاتھ شدت حرارت سے اس لحاف کے اوپر جو آپ اوڑھے ہوئے تھے تپنے لگا عرض کیا یارسول اللہ آپؐ کو کتنی سخت تکلیف ہے! فرمایا ہم لوگوں کا یہی حال ہے۔(ہم لوگوں سے مطلب انبیاء کرام) بلائیں ہم پر دوگنی کردی جاتی ہیں اور دوگنا اجر عطا ہوتا ہے عرض کیا یارسول اللہ سب سے سخت مصیبت کس پر آتی ہے، فرمایا انبیاء پر عرض کیا ان کے بعد؟ فرمایا اللہ کے سارے بندے ان میں

سے ایک افلاس کا شکار ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے پاس صرف پیراہن کے کچھ نہیں رہ جاتا، یہ وہی لوگ ہیں جو بلا و مصیبت سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی نعمت اور خوشحالی سے خوش ہو"۔

عن انس بن مالك رضى الله عنه قال: دخلنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على ابى سيفٍ القين و كان ظئرا لإ براهيم ،فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبّله وشمه، ثم دخلنا عليه بعد ذلك و إبراهيم يجود بنفسه فجعلت عينا رسول الله صلى الله عليه وسلم تذرفان، فقال له عبدالرحمن بن عوف رضى الله عنه۔ وأنت يا رسول الله !فقال" يا ابن عوف إنها رحمة" ثم اتبعها بأخرى،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان العين تدمع والقلب يحزن ،ولا نقول إلاما يرضى ربنا،وإنا بفراقك ياإبراهيم لمحزونون"

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں ابوسیف القین (الحداد) کے یہاں گئے ، وہ آنحضرتؐ کے صاحبزادے ابراہیم کو دودھ پلانے والی خاتون کے شوہر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے کو چومنے اور پیار کرنے لگے پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ ہم وہاں گئے تو حضرت ابراہیم بن محمد کی جان نکل رہی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم مبارک سے آنسو ٹپک رہے تھے، حضرت عبدالرحمن

بن عوفؓ نے دریافت فرمایا کہ آپؐ بھی اس درجہ صدمہ محسوس کرتے ہیں فرمایا اے ابن عوف یہ اللہ کی رحمت ہے، کہ اتنے میں آپؐ کی آنکھ سے دوبارہ آنسو بہہ پڑا، آپؐ نے فرمایا: آنکھ آنسو ٹپکا رہی ہے، دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی رہے، اے ابراہیم ہم سب تیرے فراق پر غمزدہ ہیں"۔

عن جندب بن سفيان رضى الله عنه قال: دميت إصبع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى بعض تلك المشاهد فقال:

"حضرت جندب بن سفیان سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ کی ایک انگلی کسی جنگ کے موقع پر زخمی ہوگئی تو یہ شعر پڑھا

هل أنت لا إصبع دميت
وفى سبيل الله مالقيت

(آپؐ نے اس انگلی کو مخاطب کر کے فرمایا)

"تو ایک انگلی ہی ہے جو خون آلود ہوئی اور اللہ کے راستہ میں ہے جس سے تو دوچار ہوئی"

عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه قال: كأنى أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يحكى نبيا من الأنبيا ضربه قومه وهو يمسح الدم عن وجهه ويقول:" رب اغفرلقومى فانهم لا يعلمون"

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں جب آپؐ اللہ کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کا ذکر کر رہے تھے جن کو ان کی

قوم نے زخمی کیا اور وہ اپنا خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے اللہ میری قوم کو بخش دے یہ جانتے نہیں ہیں"

اور اس طرح کے بہت سے واقعات تفسیر ابن کثیر اور کتبِ احادیث میں متفرق مقامات پر مذکور ہیں۔

احتساب کے فوائد

۱۔ احتساب وہ راستہ ہے جو اللہ کی محبت اور اس کی رضا جوئی تک پہنچتا ہے

۲۔ کمال ایمان اور صحیح معنوں میں اسلام کی دلیل ہے۔

۳۔ جنت کو جیت لینے اور دوزخ سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔

۴۔ دونوں جہانوں میں سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

۵۔ اطاعت میں احتساب خالص اللہ کے لئے ہوتا ہے اور اس کا بدلہ سوائے جنت کے کچھ اور نہیں ہے۔

۶۔ احتساب ناپسندیدہ چیزوں میں صبر کا اجر بڑھاتا ہے۔

۷۔ احتساب کرنے والوں کو ریا کے شبہ سے دور رکھتا ہے اور اس کے اعتماد کو اللہ پر بحال کرتا ہے۔

۸۔ احتساب ناپسندیدہ چیزوں میں غم کو دور کرتا ہے اور محبت کو کھینچتا ہے اور انسان جس کو مصیبت سمجھتا ہے اس کو راحت بنا دیتا ہے۔

۹۔ اطاعت میں احتساب کرنے والی آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے، دل خوش ہوتا ہے، اور اللہ کے حضور جو اس کو ملنے والا ہے اس کی امید بندھی رہتی ہے اور اس سے روحانی معنوی طاقت بڑھتی ہے۔

۱۰۔ احتساب اللہ کے قضاوقدر پر رضامندی کا نام ہے اور اللہ سے حسن ظن کی دلیل ہے۔

توکّل

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عازبؓ سے تیرہ درہم میں اونٹ کا کجاوہ خریدا اور کہا کہ اپنے لڑکے براءؓ کے ذریعہ یہ کجاوہ میرے یہاں بھیج دو، حضرت عازبؓ نے کہا میں ایک شرط پر یہ خدمت انجام دے سکتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کہ جب آپ مکہ مکرمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت پر نکلے تھے اور دشمن آپ کے پیچھے لگے تھے تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کس طرح دیکھ بھال کی اور کیا خدمت انجام دی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ہم مکہ سے نکلے تو رات بھر چلتے رہے اور دن کو بھی دو پہر تک سفر جاری رہا جب دھوپ بہت تیز ہوگئی گرمی کی تپش بڑھ گئی تو میں نے نگاہ دوڑانی شروع کی کہ کہیں کوئی سایہ مل جائے تو وہاں ہم لوگ پناہ لیں، ایک بہت بڑی چٹان کچھ دور پر نظر آئی اس کے نیچے کچھ سایہ دیکھا وہاں پہنچے زمین برابر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک چادر بچھادی اور عرض کیا یا نبی اللہ! آپ اس پر آرام فرمائیں، آنحضرتؐ لیٹ گئے اور میں نکلا اور اپنے اردگرد دیکھنے لگا کہ ہمارا پیچھا کرنے والوں میں سے کوئی آ تو نہیں رہا ہے، دور ایک بکری کے چرواہے پر نظر پڑی جو اپنے ریوڑ کو چٹان کی طرف لے جا رہا تھا، اور وہ بھی کسی سایہ کی تلاش میں تھا میں نے پوچھا کہ تم کس کے چرواہے ہو؟ اس نے قبیلہ قریش کے کسی شخص کا نام بتایا جس کو میں پہچان گیا، میں نے اس سے پوچھا کہ

تمہاری بکریوں میں کوئی ایسی بکری بھی ہے جس کے تھن میں دودھ ہو؟ اس نے کہا ہاں، میں نے پوچھا: کیا تم دودھ دوہ کر دے سکتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، میں نے کہا کہ اچھا تھوڑا دودھ دوہ کر ہمیں دو تو اس نے اپنے ریوڑ کی ایک بکری کو باندھ دیا میں نے اس سے کہا کہ پہلے اس کے تھن سے غبار کو جھاڑ کر دور کر دو پھر میں نے کہا اپنے دونوں ہاتھوں کو صاف کرو اس نے ہاتھ جھاڑ کر کہا اس طرح؟ اس نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کر صاف کیا اور چلو بھر دودھ نکالا، میں نے اس کو ایک چھوٹے سے چمڑے کے تھیلے میں رکھ کر اس کا منہ ایک کپڑے سے باندھ دیا اور اسی میں دودھ جمع کرتا رہا، اور اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی تھی میرے آنے پر آپؐ جگ گئے تو عرض کیا اس کو نوش فرمائیے یا رسول اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نوش فرمایا جس سے میرا دل خوش ہو گیا پھر عرض کیا کہ کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے، پھر ہم لوگوں نے کوچ کیا اور ہمارا پیچھا کرنے والے دشمن اپنی راہ سے پچھڑ گئے تھے کسی نے ہم کو نہیں پکڑا سوائے سراقہ بن مالک بن جعشم جو اپنے گھوڑے پر سوار تھا، میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا پیچھا کرنے والے پہنچ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ حدیث توکل کے ضمن میں بیان فرمائی ہے اور صاحب "نضرۃ النعیم" نے توکل کی عملی شکل جس پر حضورؐ کار فرما تھے سمجھانے کے لئے یہ حدیث نقل کی ہے کہ اپنے سے پوری کوشش کرنے کے بعد اور جو ممکن جدوجہد ہو سکتی ہے اس کو انجام دینے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور یہ سمجھنا کہ وہ ہمارے ساتھ ہے یہی توکل ہے۔

ایک ماثورہ دعا ہے بلکہ چند ماثورہ دعائیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ

توکل کا کیا مفہوم ہے دعا یہ ہے:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ کسی غزوہ پر جاتے تو یہ فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَ نَصِیْرِیْ ، بِكَ اَحُوْلُ ، وَبِكَ اَجُوْلُ، وَبِكَ أَصُوْلُ ، وَبِكَ أُقَاتِلُ۔

"اے اللہ! تو ہی میرے بازو کی قوت ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے، ہم تیرے ہی حکم سے دفاع کرتے ہیں اور تیرے ہی حکم سے آگے بڑھتے ہیں اور تیرے ہی حکم سے حملہ کرتے ہیں اور تیرے ہی بھروسے پر جنگ کرتے ہیں۔"

مطلب یہ ہوا کہ جنگ میں دفاع کرنا، یا کہیں پر اقدام کرنا، نکلنا اور مقابلہ کرنا اپنی جگہ پر جاری ہے لیکن ہر کام میں اور ہر قدم پر سہارا اللہ ہی کا ہے، یہ معنی ہوئے توکل کے۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ یہ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ۔

"اے اللہ! ہم نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا، تجھ پر ایمان لائے، اور صرف تجھ ہی پر بھروسہ کیا، اور صرف تیری ہی ذات سے لو لگاتا ہوں اور صرف تیرے ہی نام پر کسی سے مقابلہ کرتا ہوں اے میرے

اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عزوجلال کی یہ جانتے ہوئے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ مجھ کو گمراہ ہونے سے بچالے تو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس کو کبھی موت نہیں ہے اور جب کہ جن وانس سب مرنے والے ہیں۔

۳۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیا کرتے تھے (یعنی کسی چیز کو منحوس نہیں کہتے تھے) اور جب خوش ہوتے تو چہرے پر مسرت کے آثار ظاہر ہوتے اور اگر کسی بری چیز کا نام آتا تو اس کی ناپسندیدگی چہرۂ مبارک سے جھلک اٹھتی جب کسی گاؤں میں جاتے تو گاؤں کا نام پوچھتے اگر نام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر آثار مسرت نظر آتے، اور اگر کوئی برا نام ہوتا تو اس کی برائی چہرۂ مبارک سے ظاہر ہوجاتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں توکل کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں ہر جگہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں پر پورا بھروسہ رکھتے حلال طریقوں پر جو جدوجہد ہوتی وہ کرگذرتے اور جو کاوش انسانی اختیار میں ہے ان سے گریز نہیں فرماتے اس کے بعد اللہ پر توکل رکھتے، گویا کسی شئی میں طاقت اللہ کے حکم سے آتی ہے اور اسی پر بھروسہ کرنا توکل ہے 'توکل' کے مقابلہ میں ایک لفظ 'اتکال' آتا ہے جس کے معنی ہیں تمام جدوجہد سے منھ پھیر کر اور بغیر کسی ذریعہ کے کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش۔

امام ابن تیمیہؒ نے اس کو یوں بیان کیا ہے کہ اسباب پر عمل کرتے ہوئے کامیابی کا معاملہ اللہ کے سپرد کردینا اور اسی پر بھروسہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا اجر ضائع نہیں کرتا جس نے بہتر طریقہ پر کام کیا "اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ

عَمَلاً" (ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے) اور اسباب کو چھوڑ کر بیٹھ رہنا، کوشش سے اعراض کرنا، توکل نہیں ہے، بلکہ اتکال ہے یا تواکل ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا حقیقی علم تو اللہ اور اللہ کے رسولؐ ہی کو ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ بندے اللہ کی عبادت کریں شرک نہ کریں اور بندوں کا یہ حق ہے کہ اگر وہ شرک نہیں کر رہے ہیں تو اللہ ان کو عذاب نہ دے، حضرت معاذؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس کی خبر لوگوں کو کر دوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ یہ سن کر لوگ غلط مطلب لیں گے اور اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے جس کو "نضرة النعيم" میں نقل کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری جملہ ہے "لا تبشرهم فيتكلوا" گویا وہ توکل کے بجائے اتکال پر عمل کرنے لگیں گے۔

توکل کے ساتھ "تفویض" کا لفظ بھی آتا ہے جس کا مفہوم توکل سے زیادہ وسیع ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد اور اپنی ساری کوشش کر لینے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا۔ وَأُفَوِّضُ أَمْرِيْ إِلَى اللّٰهِ، یہ بہت بڑی عبادت بھی ہے اور عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر پورا اور مکمل بھروسہ کرنے کی بہترین مثال ہے ایک لفظ اور آتا ہے جو توکل ہی کے معنی میں ہے ذرا مزید وسعت کے ساتھ وہ لفظ ہے "ثقہ"۔

ابن قیمؒ سے منقول ہے کہ ثقہ توکل کی آنکھ کا دیدہ ہے (سواد العین جس سے کہ آنکھ کی روشنی قائم ہوتی ہے) اور اس کو "نقطہ دائرۃ التفویض" کہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ

کے حکم کی پابندی اور اس کے پیدا کردہ اسباب پر یقین رکھنا، ثقہ اور توکل کے ہم معنی ہیں، اور قرآن کریم میں اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ حکم دیا گیا کہ اپنے بیٹے کو دریائے نیل میں ڈال دو، ارشاد ہوا:

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ج (القصص:۷)

"پھر جب تم کو اس کی نسبت (جاسوسوں کے مطلع ہونے کا) اندیشہ ہو تو (بے خوف وخطر) ان کو دریا (نیل) میں ڈال دینا اور نہ تو (غرق سے) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت) پر غم کرنا۔"

ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ توکل کا خلاصہ ثقہ ہے اور اس کی روح ہے جیسے کہ "سواد العین" آنکھ کا سب سے عزیز ترین نقطہ۔ ثقہ، تفویض، اور توکل کی تعریف یوں ہو سکتی ہے کہ ثقہ وہ ہے جس پر تفویض کی عمارت قائم ہو اور جو توکل کی روح ہے۔

توکل کا لفظ مصدر ہے مادہ 'وکل' اور باب تفعل، جس کے لفظی معنی ہیں کسی معاملہ میں دوسرے پر بھروسہ کرنا اور توکل میں ہر معاملہ میں اپنے عجز کا اظہار ہوتا ہے۔

راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ توکل یہ ہے کہ اپنے علاوہ کسی پر بھروسہ کرنا اور اس کو اپنا نائب بنانا جیسے کوئی سفر پر جا رہا ہو اور اپنے باپ یا بھائی سے کہے کہ میرے گھر کا خیال رکھئے گا گویا اس نے اپنے باپ اور بھائی پر توکل کیا، اللہ پر یہ بھروسہ کرے کہ وہ رازق ہے تمام امور میں تنہا سہارا ہے شفاء اور بخشش دینے والا ہے یہ توکل ہے۔

"مقاییس اللغۃ" میں ابن سیدہ نے لکھا ہے "وکل باللہ وتوکل علیہ واتکل" سب کے معنی ہیں کسی کے سپرد کر دینا۔

قرآن کریم میں بہت سی آیتیں ہیں جن میں چند یہاں نقل کرتا ہوں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ج فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝

(آل عمران :۱۵۹)

”بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے، اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے، پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔“

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

(المائدہ:۱۱)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جب کہ ایک قوم فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اہلِ ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیئے۔“

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (الانفال :۶۱)

”اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرح جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ج هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ (التوبة:۵۱)

”آپ فرما دیجئے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا، مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے، وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ کے تو سب مسلمانوں کو اپنے سب کام سپرد رکھنے چاہئیں۔“

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ (هود:۱۲۳)

”اور آسمانوں اور زمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں ان کا علم خدا ہی کو ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے تو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے اور آپ کا رب ان باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ تم (لوگ) کر رہے ہو۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۔ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۔

(الفرقان:۵۶:۵۹)

"اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ (مومنوں کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور کافروں کو (دوزخ سے) ڈرائیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہاں جو شخص یوں چاہے کہ اپنے رب تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کر لے اور اس حی لا یموت پر توکل رکھے اور (اطمینان کے ساتھ) اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہئے اور وہ (خدا) اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی (طور پر) خبردار ہے وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب چھ روز (کی مقدار میں) پیدا کیا، پھر تخت (شاہی) پر قائم ہوا، وہ مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہئے (کافر کیا جانیں)"

يَآ اَيُّهَا النَّبِىُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً حَكِيْمًا ۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْراً ۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔ (الاحزاب:۱-۳)

"اے نبیؐ اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں کا اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ پر وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے بیشک تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے۔"

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (التغابن:۱۲-۱۳)

”اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم (اطاعت سے) اعراض کرو گے تو (یاد رکھو کہ) ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود (بننے کے قابل) نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر (مصائب وغیرہ میں) توکل رکھنا چاہیے“

۞ ۞ ۞

قرآن کریم اور سیرت نبوی میں "حسنِ ادب" کی اہمیت

ادب وطاعت

قرآنِ کریم میں "حسنِ ادب" کے جو نمونے ملتے ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں کہ ہم اس لفظ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کریں، یوں تو ایک محاضرہ کا فنی تجزیہ کرنے کے لئے ہم اخیر میں اس کی طرف بھی اشارہ کریں گے لیکن دراصل ادب وہی ہے جس کی تعلیم ہمیں قرآن کریم سے ملتی ہے، اس کے چند نمونے آپ اس طرح ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ادب کی تین قسمیں ہیں:

اللہ کا ادب :

رسول اللہؐ اور ان کی شریعت کا ادب:

اللہ کی مخلوق کا ادب:

اول :اللہ عزوجل کا ادب

اس کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ حکم الٰہی کو ہر وقت تازہ اور پائیدار سمجھنا اور اس کی مخالف چیزوں سے بچنا۔

۲۔ دل کو پاک رکھنا اس کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دیتا۔

۳۔ ارادہ کو پاک رکھنا تا کہ وہ اس چیز میں ملوث نہ ہو جو معیوب ہے(۱)

(۱)الموسوعہ نضرۃ النعیم بحوالہ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ابن قیم الجوزیہ

اللہ کے ساتھ ادب، اس کے دین کی خدمت، اس کی ذات پاک کی طرف یکسو ہو کر متوجہ ہونا، اس طرح کہ کوئی ظاہری اور باطنی حرکت تعظیم، اجلال اور شرم و حیا کے خلاف نہ ہو۔

ادب کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے اندر خدمت کا جذبہ پیدا کرنے اور کام کرنے پر آمادگی اختیار کرنا جو حصول ادب اور حصول کمال کے لئے ضروری ہے۔ اللہ نے انسان کے دل میں کمال کی طلب رکھی ہے اور اس کو استعداد اور اہلیت عطا فرمائی ہے، کہ وہ کمال حاصل کرے یہ صلاحیت اس کے اندر چھپی ہوئی ہے، جیسے کہ چقماق کے پتھر میں آگ، حصول کمال کی طلب اللہ اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اس کو اس کی صلاحیت عطا کرتا ہے، وہی منزل تک پہنچاتا ہے، اور وہی راستہ بھی بتاتا ہے، اور اس کی طرف اپنے رسول بھیجتا ہے اور اس کی طرف اپنی کتاب بھیجتا ہے تاکہ وہ قوت جو اس کے اندر ہے وہ بروئے کار لائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ارشاد ہے:

”وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا ۝
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰاهَا ۝

(الشمس: ۷-۱۰)

”اور (قسم ہے انسان کی) جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو درست بنایا، پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں) کا اس کو القاء کیا، یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا۔“

اس آیت میں نفس کو پیدا کرنے اور اس کو کارآمد کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مقصود اعتدال اور تکمیل ہے پھر مطلع کرتا ہے کہ اس کے اندر یہ صلاحیت دی کہ معصیت یا تقویٰ میں سے جس کو چاہے اپنا لے، اور

اس کو امتحان کی منزل تک پہونچاتا ہے، پھر اس کو مانجھ کر پاک کرنے والے (تزکیہ) کو فلاح کی بشارت دی اور ان آداب سے بہرہ مند فرمایا کہ بدقسمتی مقدر ہے اس شخص کے لئے جو اس کو دبادے، چھپادے، ایسے شخص کی تحقیر کی گئی، اور اس کو پست بتایا گیا، اور معصیت کے ذریعہ فنا کرنے کا اشارہ کیا گیا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ أعلم۔

اللہ عزوجل کے ساتھ رسول ﷺ کا ادب

اس جگہ پر مفسرین اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ملاتے ہیں جب کہ اللہ نے اپنے نبی کو جو چاہا دکھلایا "مَـازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی" آنکھ اپنی جگہ سے ٹلی نہیں اور دیدوں نے حرکت نہیں کی، ادب کا تقاضا تھا کہ سر جھکائے تسلیم ورضا کا اظہار کرتا رہے، علمائے ادب نے یہی تعریف کی ہے اور بہترین مثال اس کو سمجھا ہے ابن تیمیہؒ نے اسی مفہوم پر زور دیا ہے۔

اس آیت میں عجیب وغریب اسرار پوشیدہ ہیں اور وہ ادب جو افضل بشر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان تھا اس کا بہترین نمونہ ان الفاظ میں ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمَارُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝

(النجم: ۱۱،۱۲)

"قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو۔"

یعنی جو آنکھوں نے دیکھا اس کی دل نے تکذیب نہیں کی، اور یہ اللہ جل شانہ کے حضور غایت ادب اور کمال اطاعت کی تصویر ہے جو اس ذات سے صادر ہوئی جس کے لئے فرمایا گیا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۴)

"اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔"

انبیاء اور پیغمبروں کا اللہ عزوجل کے ساتھ ادب

انبیاء علیہم السلام نے اللہ سے کس طرح مکالمہ کیا اور کس طرح اپنی عرضداشت پیش کیں، ہر بات ادب واحترام کی روح سے بھری ہوئی ہے

مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ط (المائدہ: ۱۱۶)

"اگر ہم نے کہا ہوتا تو آپ نے جانا ہوتا۔"

اللہ تعالیٰ کے حضور انہوں نے تردیدی یا انکاری جملہ نہیں کہا کہ" لم اقله"

جب ان سے پوچھا گیا کہ:

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط (المائدہ :۱۱۶)

"اے عیسی ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے دو معبود قرار دے لو۔"

تو اس کے جواب میں انکاری جملہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میں نے نہیں کہا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حسن ادب کا یہ تقاضہ تھا کہ لفظ نفی زبان سے نہ نکلے اور بات بھی پوری ہو جائے، اور ادب بھی باقی رہے، اور احترام کا تقاضہ اپنی جگہ پر قائم رہے، "اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ بات اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی طرف لوٹا دی، اور عبدیت کا اظہار اس طرح کیا کہ "تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ " کہ تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے، پھر علم غیب سے اپنی ناواقفیت اور اپنی کوتاہی علم وفہم کا اعتراف بارگاہ رب العزت میں کرنا ضروری تھا کہا کہ " وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ" پھر حق تعالیٰ جل شانہ کی عظمت و کبریائی کا اعتراف واظہار بھی ضروری تھا، تو فرمایا کہ "اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ" اور پھر اس بات کی تردید کی کہ انھوں نے احکام ربانی کے

خلاف کوئی حرف زبان سے نکالا ہو، فرمایا: "مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِىْ بِهٖ، اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ" اور پھر اپنی گواہی کا ذکر کیا کہ اے اللہ جب تک تو نے مجھے ان لوگوں کے درمیان رکھا اور جو کچھ بھی زبان سے نکالا اور جو لفظ بھی کہا اس سے تو خوب واقف ہے اور یہ کہ جب تک تو نے مجھے زندہ رکھا میں نے دیکھا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں، اور جب تو نے اٹھالیا تو ان کے اعمال اور عقیدے کی نگہبانی فرمانے والا صرف تو ہی تھا:

"وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ط (المائدہ: ۱۱۷)

"اور میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا اور پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا تو آپ ان پر مطلع رہے۔"

اور حق تعالیٰ شانہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے یہ کہا:

"وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ" (المائدہ: ۱۱۷)

"اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں"

اور اخیر میں وہ بات فرمائی جس کو پڑھ کر آج بھی اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جس آیت کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رورو کر رات بھر تلاوت فرماتے رہے:

"اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدہ: ۱۱۸)

"اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔"

یعنی اگر تو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں سر اٹھانے کی ہمت نہیں

کر سکتے، تیری بندگی پر راضی اور تیرے حکم پر خوش ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو یہ بھی تیری شان ہے کہ اتنی معصیت اور شرک کے باوجود جب کوئی عقلی و ظاہری قانون ان کی رعایت نہیں کر سکتا تھا تو نے اپنے فضل و کرم سے ان کو بخش دیا اور اس حال میں بخشنا ایک صاحب قوت و عظمت کا ہی کام ہو سکتا ہے اور وہ جو قانون کے سامنے لاچار ہو اور وہ کسی کے سامنے جوابدہ ہو اس کی مجال نہیں ہو سکتی کہ جس کو چاہے بخش دے۔

یہ آیتیں ادب واحترام، اللہ کی معرفت اور اس کے جلال کے آگے سر جھکانے کی بہترین مثال ہیں، بعض مفسرین نے جن میں طبری بھی ہیں، ان کا خیال ہے کہ سیاق آیت کا تقاضہ تھا کہ ''وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' کے بجائے ''فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' ہوتا مگر قرآن کریم نے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم کہا کیونکہ یہ موقع موقعہ جلال و غضب کا ہے یہاں مالک حقیقی کے حکم کی تائید ہی کی جاسکتی تھی، غایت ادب واحترام میں بندہ نے کہا کہ اے اللہ تو صاحب سطوت و غلبہ ہے تیرا فیصلہ سب سے بڑا فیصلہ ہے۔

انبیاء کرام کی طرف جن اقوال کی نسبت ہے اور جن کی صحت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں نازل فرمایا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

اَلَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَ يَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝

(الشعراء، ۷۸-۸۰)

''جس نے مجھ کو (اور اسی طرح سب کو) پیدا کیا پھر وہی مجھ کو

(میری مصلحتوں کی طرف) رہنمائی کرتا ہے اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔"

اس آیت میں مرض کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی اور یہ نہیں کہا کہ:

وَاِذَا اَمرَضَنِی فَهُوَ يَشْفِيْنِ '

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ کشتی کے بارے میں ان کا یہ کہنا "فَـاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَـا" میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب پیدا کردوں یہ نہیں کہا "فاراد ربك ان اعيبها" اوران دولڑکوں کے بارے میں جن کی دیوار حضرت خضر نے ازسرنو تعمیر کی وہاں فرمایا:

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

(الکھف: ۸۲)

"سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہونچ جاویں۔"

یہ واقعہ قرآن کے الفاظ میں اس طرح وارد ہوا ہے۔

"اَمَّـا السَّـفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْـرِ فَـاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَـا وَكَانَ وَرَاءَ هُـمْ مَّـلِكٌ يَّاْخُذُ كُـلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْباً ہ وَاَمَّـا الْـغُلٰمُ فَـكَـانَ اَبَـوٰهُ مُـؤْمِـنَيْـنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُـغْيَـاناً وَّكُفْراً ہ فَـاَرَدْنَـا اَنْ يُّبْـدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْـرًا مِّـنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْماً ہ وَاَمَّـا الْجِدَارُ فَـكَـانَ لِـغُـلٰـمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِـى الْـمَـدِيْنَةِ وَكَانَ

تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ج
فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا
وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَ مَا
فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ط ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ
عَلَيْهِ صَبْرًا ہ (الکہف ،۷۹-۸۲)

''وہ جو کشتی تھی وہ چند آدمیوں کی تھی جو (اس کے ذریعہ سے) دریا میں محنت (مزدوری) کرتے تھے، سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں، (اور وجہ اس کی یہ تھی کہ) ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور رہا وہ لڑکا سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق) ہوا کہ یہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے کہ ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر ہو، اور (ماں باپ کے ساتھ) محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو، اور رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس (دیوار) کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا (جو ان کے باپ سے میراث سے پہنچا ہے) اور ان کا باپ (جو مر گیا ہے وہ) ایک نیک آدمی تھا، سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں آپ کے رب کی رحمت سے اور (یہ سارے کام میں نے بہ الہام الٰہی کئے ہیں ان میں سے) کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا (لیجئے) یہ ہے

حقیقت ان (باتوں) کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔"

ان آیات میں شر کی نسبت، توڑنے اور منہدم کرنے کی نسبت، کسی بنی بنائی چیز کو خراب کرنے کی نسبت انسان کی طرف ہے، اور جہاں خیر کا معاملہ ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، یہی بات آپ کو سورہ فاتحہ میں بھی نظر آتی ہے کہ "غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ" کہا کیونکہ غضب میں ڈالنا ایک جابرانہ طاقت کا مظہر ہے، اوراس سے پہلے "اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ" میں جہاں عطا کرنے کا ذکر ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی، اسی طرح ماقبل کی آیت میں جنوں کا یہ کہنا:

وَاَنَّا لَا نَدۡرِیۡۤ اَشَرٌّ اُرِیۡدَ بِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِہِمۡ رَبُّہُمۡ رَشَدًا ۙ (الجن:۱۰)

"اور ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے۔"

اس میں شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی یہ نہیں کہا کہ "اشر اردت" یا "اراد ربك " بلکہ "اَشَرٌّ اُرِیۡدَ' کہا گیا مجہول کا صیغہ ہے، حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ "القدر خیرہ وشرہ"، جو مقدرات ہیں اچھے ہوں یا برے دونوں اللہ کی طرف سے ہیں مگر یہاں شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔ اسی کو حسن ادب کہتے ہیں۔

ایک مثال اور لیجئے جو بہت لطیف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھوکے تھے ان کو غذا اور پانی کی ضرورت تھی تو انہوں نے دعا کے صیغہ میں جو امر کے مشابہ ہے "أطعمنی" نہیں کہا بلکہ یہ فرمایا:

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ﴿۲۴﴾ (القصص : ۲۴)

''اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں
میں اس کا (سخت) حاجت مند ہوں۔''

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا کہنا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۔ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝ (الاعراف:۲۳)

''اے ہمارے رب ہم نے بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری
مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا
نقصان ہوجائے گا۔''

یہاں یہ نہیں کہا کہ اللہ تو نے جو میرے لئے مقدر کیا ہے اور جس کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے بلکہ ظلم کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی جو ادب کا تقاضہ تھا۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ فرمانا:

اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۝

(الانبیاء:۸۳)

''مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ
مہربان ہیں۔''

اس سے پہلے یہ نہیں کہا کہ ''فعافنی واشفنی''
''یعنی مجھ کو عافیت اور شفادے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں اور والد سے کہنا:

هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَاىَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّىْ حَقًّا ط
وَقَدْ اَحْسَنَ بِىْ اِذْ اَخْرَجَنِىْ مِنَ السِّجْنِ

(یوسف:۱۰۰)

"یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانہ میں دیکھا تھا، جس کو
میرے رب نے سچا کر دیا اور اس نے (یعنی خدا نے) میرے ساتھ
احسان کیا کہ (ایک تو) اس نے مجھے قید سے نکالا۔"

اپنے بھائیوں کا لحاظ اور احترام کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا: "اذا خرجنی من الجب" ——اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو یاد دلایا کہ وہ لوگ بھوکے اور تنگ حالی سے مجبور ہو کر اپنے گاؤں سے نکل کر آئے تھے ان کو یہ بات یاد دلائی بھی تو اس طرح کہ جب تم کو گاؤں سے نکال لایا تھا" وجاء بکم من البدو" یہ بھی احترام کا طریقہ تھا، اور فرمایا:

مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اِخْوَتِىْ ؕ

(یوسف ۱۰۰)

"بعد اس کے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان
فساد ڈلوایا تھا۔"

تو انہوں نے عزت نفس اور سخاوت اور ادب کا حق ادا کیا اور یہ اخلاق کا بلند مقام صرف انبیاء اور پیغمبروں میں دیکھا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں آپس کی گفتگو کا ادب واحترام، حیا اور شرم کا جو تقاضہ ہے اس کے مطابق عمل کرنا اور ایسی گفتگو کرنا جو حسن ادب کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ملتا ہے، جب وہ فرعون کے قصر حکومت سے نکل کر باہر آئے جس کی تفصیل سورہ قصص میں ہے، کہ جب انہوں نے "ماء مدین" کی طرف آ کر پناہ لی اور کہا:

"عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

(القصص: ۲۲)

''امید ہے کہ میرا رب مجھ کو (کسی مقام امن کا) سیدھا راستہ چلا دے گا۔''

تو وہاں دو صاحبزادیاں، پیغمبرزادیاں، اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے کھڑی تھیں، اس موقع کے مکالمہ پر غور کیجئے کہ ادب کے نمونے کس آسمانی کتاب میں اس سے بہتر ملیں گے، حضرت موسیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟ آپ کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے والد بوڑھے ہیں مجھے ان بکریوں کو پانی پلانا ہے، انتظار کر رہی ہوں کہ یہ چرواہے ہٹ جائیں تو میں پانی پلاؤں، یہاں پر ان صاحبزادیوں نے یہ فرمائش نہیں کی کہ وہ ان کی بکریوں کو پانی پلادیں، ایک اجنبی مرد سے اجنبی خاتون کا بات کرنا غایت درجہ مجبوری کی بات تھی، لیکن ان سے فرمائش بھی نہیں کی، اور خود حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا ''ما خطبکما'' آپ کی کیا حاجت اور آپ کی کیا ضرورت ہے، ایک بہترین طرز ادا اور طریقہ کلام ہے، یہ پانی پلانے کے بعد ایک درخت کے سایہ کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں، فرعون کے شہر سے بھاگے ہوئے آئے تھے، بھوکے تھے بھٹکے ہوئے تھے، وہاں جو دعا کرتے ہیں وہ بھی حسن ادب کی ایک مثال ہے کہتے ہیں:

رَبِّ اِنِّی لِمَآ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ۝

(القصص : ۲۴)

''اے میرے پروردگار جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا حاجت مند ہوں۔''

یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں روٹی دے یا کسی کے دل میں ڈال دے کہ آکر ہمیں کوئی کھانا کھلا دے بلکہ کہتے ہیں اے اللہ میں اس شئی کا محتاج ہوں جو تو نے ہمارے لئے اتارا ہے ''خیر'' کے معنی یہاں پر ''روزی'' کے ہیں جیسے سورہ عادیات

میں ''خیر'' مال کے معنی میں ہے ''انہ لحب الخیر لشدید'' کا ترجمہ مفسرین نے یہی کیا ہے کہ انسان مال کی محبت میں دیوانہ ہو جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی کنایہ سے کام لیا اور کہا کہ اے اللہ تو نے جو رزق ہمارے لئے اتارا ہے ہم اس کے طلب گار ہیں۔

پھر ان دونوں لڑکیوں میں سے جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی بھرا تھا شرماتی اور لجاتی ہوئی آتی ہیں، ظاہر ہے ایک اجنبی مرد کے سامنے بے باکی سے بات نہیں کر سکتی تھیں جو کچھ کہا وہ سر جھکا کر شرمیلے انداز میں بیان کیا کہ میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ نے میری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دیں، جب حضرت موسیٰ وہاں پہنچے اور پوری کہانی سنائی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں اللہ نے آپ کو ظالم لوگوں سے نجات دی، یہاں پر ان آیات میں ادب واحترام، شرم وحیا اخلاق وانسانیت، پیغمبرانہ اخلاق سب یکجا نظر آتا ہے، یہ قصہ جن آیتوں میں ہے وہ یہ ہیں:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ج قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ط قَالَتَا لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ سکتہ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ٥ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ٥ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ط فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥ (القصص: ۲۳-۲۵)

"اور جب مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے کہ) ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو) ہٹا کر نہ لے جاویں، اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں، پس (یہ سن کر) موسیٰ نے ان کے لئے پانی (کھینچ کران کے جانوروں کو) پلایا پھر (وہاں سے) ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے پھر (جناب باری میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا (سخت) حاجت مند ہوں، سو موسیٰ کے پاس ایک لڑکی آئی شرماتی ہوئی چلتی تھی (اور آکر) کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا، سو جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو انہوں نے (تسلی کی اور کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔"

صلوات اللہ و سلام علیہم۔

دینی آداب

ادب میں یہ بھی داخل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ اگر چہ وہ تنہائی میں ہوں اور انہیں کوئی دیکھ نہ رہا ہو جب بھی برہنہ نہ ہوں، یہ درحقیقت بندے کا ادب ہے اپنے مالک کے ساتھ جو اس کا پیدا کرنے والا ہے اور جو

تعظیم کا اور جلالت شان کا لازمہ ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ ادب صرف ظاہری ہی نہیں بلکہ باطن میں بھی مطلوب ہے اگر ظاہر میں کسی نے بے ادبی کی تو ظاہر میں اس کو سزا دی جائے گی اور اگر باطن میں بے ادبی کی تو اس کو باطن میں سزا دی جائے گی۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ جس نے ادب کے معاملہ میں بے پرواہی برتی تو سنت پر عمل کی توفیق اس سے سلب کر لی جاتی ہے اور جو شخص سنتوں کی ادائیگی میں بے پرواہی برتتا ہے اس کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ فرائض کی ادائیگی کی توفیق اس سے سلب کر لی جاتی ہے، اور جو شخص اس سے بھی محروم رہا یعنی فرائض بھی اس نے ادا نہیں کیا تو معرفت الٰہی سے محرومی اس کے لئے مقدر کر دی جاتی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ جس شخص کو معاملات میں، گفتگو میں، لین دین میں، حسن ادب کی توفیق ملی اس کے اعمال کی قبولیت کا امکان بڑھ جاتا ہے، مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا مطلب ہے دین پر عمل کرنا اور اس کے بتائے ہوئے اصول پر ظاہر و باطن میں عمل کرنا۔

ایک چیز ہوتی ہے ''ادب'' دوسری چیز ہوتی ہے تأدب، یعنی عمل کے تقاضہ کو عمداً پورا کرنا، اگر فطری طور پر مزاج اور معاملات اور طبیعت میں ادب کا مادہ کم ہے تو ادب کا مفہوم سمجھ کر اور اللہ کی رضا پر یقین کر کے ایسے کام کرنا جو ادب کا تقاضہ ہے اس کو ''تأدب'' کہتے ہیں، مثلاً قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت ایک خاص ادب اور وقار اور احترام ملحوظ رکھا جائے، کہ تلاوت کے وقت قبلہ رو ہو کر بیٹھنا، سر کو ڈھکنا، قرآن کریم کو تکیہ یا رحل پر رکھنا یہ سب تأدب ہے، جس کی صراحت کے ساتھ کہیں ہدایت تو نہیں ہے مگر تأدب کے مظاہر دیکھنے کے بعد صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ مطلوب ہے، قرآن کریم میں ہدایت ہے کہ جو نماز کو جا رہا ہو اس کو اچھے کپڑے میسر ہوں وہ پہن لے، قرآن میں آیا ہے۔

خُذُوا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ (الاعراف:۳۱)

''تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔''

یہ عبادت کا تأدب ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت اور تدبر یعنی اس کے معنی پر غور کرنا، بلند ترین اجر کا کام ہے اور اسی کے سلسلہ میں فرمایا گیا ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ (محمد: ۲۴)

''تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے''

کیونکہ اس میں علم معرفت ہے، احکام خداوندی کی ممنوعات سے بچنے کی ہدایت ہے، شعائر کی تعظیم جو مطلوب ہے اس کا حکم ہے اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اس سے بچنا یہ ایک قریب ترین، آسان ترین، اور محبوب ترین راستہ ہے معرفت الٰہی کا، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے حصول کا اور دل سے اللہ کی طرف مائل ہونے کا ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

''اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚ (الانفال: ۲)

''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ (آیتیں) ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کے حضور ادب کا تقاضہ اس کی ذات پاک کی طرف دعا سے

متوجہ ہونا ہے، ارشاد فرمایا ہے:

"قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاءُ كُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَاماً ٥ (الفرقان:۷۷)

"آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے، سو تم تو (احکام الٰہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے) وبال (جان) ہوگا۔"

ادب نبوی کے چند نمونے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر و شکر کی توفیق اللہ سے مانگی ہے اور حسن ادب کی دعا کی ہے جیسا کہ اس دعا میں ہے:

"اللهم اعنى على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك"

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کی تسبیح کرنا، اس کے انعامات پر شکر ادا کرنا انسان کا فرض ہے اس فرض کو وہی ادا کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے، اللہ کا ارشاد ہے۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط

(ابراھیم :۳۴)

"اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے۔"

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں اس امر کو بھی شمار کرتے ہیں کہ وہ اپنے اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے، اور اللہ سے پناہ مانگتے رہنا، استغفار کرتے رہنا، اس سے ہمیشہ مدد چاہنا اور اس کی طرف

تضرع کرتے رہنا توکل اور تمام امور میں اس کا سہارا لینا تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور یہ ذریعہ بھی عطا کرنے والا اللہ ہے۔

عبادت میں اللہ تعالیٰ کے حضور ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا

حضرت ابن قیمؒ نے کہا کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو کہتے سنا ہے کہ نماز کا ادب یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے آگے سر جھکائے کھڑا ہو اس کی نگاہیں زمین کی طرف ہوں، اس کی آنکھیں اوپر کی جانب نہ اٹھی ہوں۔

عبادت میں اللہ کے حضور احترام وادب کا تقاضہ نماز میں پرسکون کھڑے ہونا، اسی کو ''دوام'' کہتے ہیں، جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ (المعارج، ۲۳)

''مگر وہ نمازی (یعنی مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں۔''

حضرت عقبہ بن عامر سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی کہ '' اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ'' اور دریافت کیا گیا کہ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت عقبہ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ لوگ جو نماز میں خشوع اور خضوع کے ساتھ قیام ورکوع اور سجدہ کرتے ہیں۔

ادب کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کی ہدایت فرمائی ہے کہ کوئی آپ کے سامنے آگے نہ بڑھے، کوئی شخص امر، نہی، اجازت، کسی کام پر تصرف اس وقت تک نہ کرے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نہ حاصل ہو، آیت کریمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا

تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

(الحجرات:۱۔۳)

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا اور (تمہارے سب افعال کو) جاننے والا ہے، اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی، بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کر دیا ہے، ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔''

اس آیت کا حکم قیامت تک باقی رہے گا، اور کبھی منسوخ نہیں ہوا، آپؐ کے وجود گرامی کا بدل آپ کی سنت مطہرہ ہے جو آپ کی وفات کے بعد بھی موجود ہے اور اس سے تجاوز کرنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی آپ کی زندگی میں تجاوز کرتا، اور کسی صاحب عقل کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مجاہدؒ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، اور نہ ان کی بات کو کاٹ کر اپنی بات کو آگے رکھو، ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ عربوں کا قول ہے کہ امام کے سامنے نہ بڑھو، اپنے باپ کے سامنے نہ بڑھو اس کا مطلب یہ

ہے کہ کسی بات کا حکم دینے یا روکنے میں جلدی نہ کرو، جب تک کہ تمہیں اس کی اجازت حاصل نہ ہو، ادب میں یہ بھی داخل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز نہ بڑھاؤ کیونکہ اس سے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے، سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی آواز سے اپنی آواز بلند کر کے بولنا ممنوع قرار دیا گیا ہے تو اپنی رائے کو حضورؐ کی رائے پر آگے بڑھانا اور اپنے نتائج افکار کو آپ کی سنت پر اور جو آپ سے آگے ہیں ان سے فائق بتانا یا قابل ترمیم بتانا کب قابل برداشت ہو سکتا ہے آپ کے سامنے ادب کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی آواز میں نہ پکارو جس طرح اپنے لوگوں کو آپس میں پکارا کرتے ہو، آپ کی گفتگو سننے اور آپ کے ارشادات پر اپنے دل و دماغ کو مرکوز کرنا یہ بھی ہے کہ جب آپ کوئی خطبہ دے رہے ہوں یا جہاد کی تلقین کر رہے ہوں یا لوگوں کی تنظیم کر رہے ہوں یا کسی موقع پر ہدایت فرما رہے ہوں تو ایسے موقع پر کسی کو مجلس سے ٹلنا نہیں چاہئے، اور کسی عذر کی بنا پر بغیر اجازت لئے مجمع سے نکلنا نہیں چاہئے، ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ ط (النورہ:٦٢)

"بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے) تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔"

ابن قیمؒ نے "زاد المعاذ" میں براہ راست احادیث سے احکام کو جمع کر کے یا

امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے جو بتایا ہے اس میں کسی چوں چرا کی گنجائش نہیں ہے مگر وہ مقدار میں اس قدر زیادہ ہیں کہ ایک مکمل جلد انہی آداب پر مشتمل ہو سکتی ہے۔

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے ادب کے موجودہ معنی اور اصطلاحی مفہوم کو مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لغت کے اعتبار سے ادب کے معنی ہیں کھانے پر کچھ لوگوں کو اکٹھا کرنا، اچھی عادات اور عقل سلیم کے نزدیک جو محمود اور پسندیدہ خصلتیں ہیں ان کو اپنی عادات میں جمع کرنا اخلاق کا ادب ہوا، اور یہی مفہوم پہلی، دوسری اور تیسری صدی کے آخر تک سمجھا جاتا رہا، بعد میں اہل فارس کی توسع پسندی نے عام لٹریچر کو بھی ادب میں داخل کر دیا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ یہ لفظ قرآن اور حدیث میں لٹریچر کے معنی میں وارد نہیں ہوا ہے، اور نہ تیسری صدی ہجری تک لوگ زبان کی صنعت یا تحریر کی صنعت کو ادب کہتے تھے، لیکن اس لفظ سے قطع نظر ادب کا جو مفہوم ہے وہ دوسرے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں لفظ ''حسن'' ہے جو اجسام ہی نہیں اصوات اور الفاظ تک کے لئے مستعمل ہے، ارشاد ہوا ''قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' لوگوں سے اچھی بات کرو یا اچھے طریقہ پر بات کرو، اچھی بات کے لئے الفاظ بھی اچھے ہونا ضروری ہیں اردو کا ایک محاورہ ہے ''عروس جمیل کے لئے لباس حریر زیب دیتا ہے''۔ اور موجودہ اصطلاح میں اس مفہوم میں بولا جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں قرآن کریم میں دو لفظ آئے ہیں، ''لغو'' اور ''کذب'' ارشاد ہوا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ (الانبیاء: ۳۵)

''وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔''

کثرت استعمال سے مصنوعی کلام، غریب الفاظ، پیچیدہ ترکیب اور ڈھلے ہوئے جملے ادب کہے جانے لگے، جن کا حسن ادب سے کوئی تعلق نہیں اور اس زمانہ

میں فن لسانیات نے اور بھی تحدید کر دی ہے کہ وہ بات جو بے تکلف اہل زبان استعمال کرتے ہیں وہی ادب ہے اور جہاں الفاظ کی نشست ایک صنعت کا درجہ رکھتی ہے وہ سوءِ ادب ہے ادب نہیں۔

عجمی ادب مصنوعی اور جذباتی ہے، یہاں نفسیات کی رعایت نہیں ہے، شاہی دربار کے مصاحبوں اور قصیدہ خوانوں کی ایجاد کردہ صنعت کو ادب کہتے ہیں۔ ''تاریخ الأدب العربی'' میں حسن الزیات نے المبرّد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب عربوں نے اپنی زبان کو ایرانیوں کے مقابلہ میں کمتر سمجھا اور اس وقت سے افراد کے لئے اور افراد میں بھی حکام اور ان سے رسوخ رکھنے والوں کے لئے جناب، حضرت، خداوندِ ملک وملت کے الفاظ کا لانا ادب سمجھا جانے لگا، عربی میں اس کا سراغ پانچویں چھٹی صدی تک نہیں ملتا، اِلّا یہ کہ ابن المقفّع قسم کے ادباء جب ترجموں کے چور دروازوں سے عربی ادب میں دخیل ہوئے تو انہوں نے دنیوی وجاہت رکھنے والوں کے لئے بڑے بڑے القاب تصنیف کیے مثلاً قدوۃ الدین والدنیا، سراج السالکین، زبدۃ العارفین، مولانا ومولی الکل، فلاں ابن فلاں خلد اللہ ملکہ وسلطانہ لکھا جانے لگا، جبکہ عربی زبان میں ایک شخص کو احترام سے پکارنا ہو تو اس کی کنیت کا سہارا لیا جاتا ہے یا ابن فلاں یا اَبا فلاں۔ پھر ایران سے یہ نام نہاد ادبی طریقہ اردو میں منتقل ہوا تو مشائخ اور علمائے کرام کے لئے دو دو سطر کے القاب لکھے جانے لگے اور ان کو ادب سمجھا گیا۔ اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، کبار تابعینؒ اور محدثینؒ کے لئے صرف ''حضرت'' کا لفظ کافی سمجھا جاتا ہے۔

عربی ادب کی روح اس تصنّع سے بری تھی اور آج بھی بری ہے۔ قرآن کا احسان ہے کہ اس نے ادب کے صحیح رُخ کی عملی تعلیم دی جو انتہائی ضروری تھی۔

مصادر و مراجع

۱۔ آیات قرآن کریم کے ترجمے اکثر و بیشتر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ترجمۂ قرآن سے اخذ کئے گئے ہیں۔

۲۔ احادیث نبویہ کے حوالوں میں ''نضرۃ النعیم'' للشیخ صالح عبداللہ حمید پر اعتماد کیا گیا ہے۔

۳۔ زادالمعاد — ابن القیم الجوزیہؒ

۴ سیرۃ النبیؐ — علامہ سید سلیمان ندویؒ

۵۔ اصح السیر — مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ

۶۔ خطبات مدراس — علامہ سید سلیمان ندویؒ

۷۔ النبی الخاتم — مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

۸۔ رحمۃ للعالمین — قاضی سلیمان منصور پوریؒ

۹۔ لسان العرب — ابن منظور

۱۰۔ اقرب الموارد — سعید الخوری الشرتونی اللبنانی

۱۱۔ مجمع بحار الانوار — علامہ پٹنی گجراتی

۱۲۔ سیرۃ ابن ہشام

۱۳۔ مغازی ابن اسحاق

۱۴۔ حجۃ اللہ البالغہ — حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

۱۵۔ معجم المصطلحات والفروق اللغویۃ ابوالبقاء لکھنوی ت عدنان درویش، محمد المصری، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۹۹۳

۱۶۔ مباحث فی علوم القرآن

۱۷۔ المتجر الرابح فی ثوب العمل الصالح للحافظ الدمیاطی ت عبداللہ حجاج، القاھرہ، دارالتراث الاسلامی

۱۸۔ مجموعۃ الرسائل الکبری ابن تیمیہ، القاھرہ، م۱۳۲۳ھ

۱۹۔ النبوۃ والانبیاء ابوالحسن علی الندوی

۲۰۔ المتخلص فی تزکیۃ الانفس القاھرہ دارالسلام، توزیع عام ۱۹۹۵

۲۱۔ مسند الامام احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت

۲۲۔ مصادر السیرۃ النبویۃ وتقدیمھا فاروق الحماۃ المغرب، الدار البیضاء، دارالثقافۃ د/ت

ضمیمہ

پیغمبرِ عالم ﷺ کی سیرت پر اردو میں کتابیں

ایک اجمالی تذکرہ

از

مولانا محمد رضوان القاسمی

ناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تین بنیادی تعلیم

اَدِّبُوا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلَاثِ خِصَالٍ، حُبِّ نَبِیِّکُمْ، وَ حُبِّ اَهْلِ بَیْتِهٖ، وَ تلاوَةِ الْقُرْآن، فَاِنَّ حَمَلَةَ الْقُرْآنِ فِیْ ظِلِّ عَرْشِ اللّٰهِ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ مَعَ اَنْبِیَائِهٖ وَ اَصْفِیَائِهٖ۔

(کنز العمال: جلد ۱۶، صفحہ ۴۵۶، حدیث نمبر ۴۵۴۰۹)

معلّم انسانیت، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''اپنی اولاد کو تین باتوں کی بنیادی طور پر تعلیم دو، یہ تعلیم اُسے (۱) اپنے نبیؐ کی محبت (اور اس کے تقاضے) سے آشنا کر دے، (۲) نبیؐ کے اہلِ بیت (وسیع معنی و مفہوم میں) کی محبت اس کے دل میں گھر کر جائے (۳) قرآن کی تلاوت اس کی زندگی کا محبوب مشغلہ بن جائے۔

یاد رکھو! حاملینِ قرآن، اس دن، انبیاء، اور اصفیاء کے ساتھ، اللہ کے سایہ میں ہوں گے، جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔''

پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اردو میں کتابیں

ایک اجمالی تذکرہ

پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی عظمت کے پیشِ نظر یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس موضوع کے عُشاق نے کتابوں، مقالوں اور مضامین کا ایسا گرانقدر ذخیرہ تیار کردیا ہے جس کی نظیر سیرت وسوانح کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ سیرتِ محمدیؐ کا یہ تاریخی پہلو کتنا مضبوط، روشن، واضح اور امتیازی نوعیت کا ہے، اس کا اندازہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنی کتاب ''خطباتِ مدارس'' کے تیسرے خطبہ اور مولانا شبلی نعمانیؒ اور مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ نے علی الترتیب ''سیرت النبیؐ'' اور ''اصح السیر'' کے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک بڑی بات یہ ہے کہ سیرت کا یہ گرانقدر ذخیرہ کسی ایک یا دو زبان میں نہیں بلکہ ہر قابلِ ذکر زبان میں موجود ہے۔ اور اس میں اضافہ دراضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔

راقم الحروف کے سامنے اس وقت سیرت کے موضوع پر جو اردو کتابیں ہیں، اس میں تاریخی تقدم کے اعتبار سے ''فوائدِ بدریہ'' کو اولیت کا مقام دیا جاسکتا ہے (ممکن ہے اس سے پہلے بھی اردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی گئی ہو جس سے انکار نہیں) اس کتاب کے مصنف امام العلماء قاضی الملک بدرالدولہ مولانا محمد صبغۃ اللہ (۱۲۱۱۔۱۲۸۰ھ) ہیں، قاضی صاحب مرحوم کا خاندان ان عربی النسل خاندانوں میں

سے ہے جو براہِ راست عرب سے آکر ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں آباد ہوا، جنوبی ہند میں اس خاندان کی وجاہت دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کی وجاہت سے کم نہیں۔ قاضی صاحب کا مقبرہ جامع مسجد مدراس میں ہے، یہ علم وفضل کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھے، متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، جن میں ''فوائدِ بدریہ'' کو ایک خاص مقام حاصل ہے، سیرت کے موضوع پر یہ ایک نہایت کامیاب کتاب ہے، بڑے سائز پر (۴۰۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ عنوانات، اصحابِ بدر کی تعداد (۳۱۳) ہے، سب سے پہلے ۱۲۶۳ھ میں مدراس میں شائع ہوئی، اس کے بعد عام مقبولیت کی وجہ سے مختلف شہروں سے طبع ہوتی رہی، والیٔ دکن میر عثمان علی خاں مرحوم کے عہد میں ۱۳۵۰ھ میں شمس المطابع پریس حیدرآباد سے چھپی، اگرچہ اس کی اردو سو سال سے زیادہ پرانی ہے مگر اس زمانہ کے اعتبار سے زبان وادب کی خوبی اس میں موجود ہے۔

زمانی تقدم کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر ''تواریخ حبیب الٰہ'' کا ذکر کیا جاسکتا ہے، یہ کتاب مولانا مفتی محمد عنایت احمدؒ کی ہے، سیرت پر نہایت معتبر اور مستند ہے، حروفِ تہجی کے اعتبار سے نام تاریخی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۷۵ھ میں لکھی گئی، تیسرے نمبر پر سر سید احمد خاںؒ کی کتاب ''خطباتِ احمدیہ'' کا نام لیا جاسکتا ہے، یہ کتاب سرسیدؒ نے سرولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' (چار جلدیں) کے جواب میں نہایت جوش وخروش اور عشقِ نبویؐ سے سرشار ہو کر لکھی تھی۔ اس میں ۱۲ خطبات اور (۷۵۲) صفحات ہیں، سب سے پہلے لندن سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی، کتاب کے مصنف بعض مسائل اور واقعات میں جمہور علماء کے نقطۂ نظر سے ہٹ گئے ہیں، تاہم بہت ساری باتیں اس میں کام کی آگئی ہیں، اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر کیے گئے شبہات کا بہت حد تک ازالہ ہوتا ہے، شروع کی کتابوں میں ایک مختصر کتاب ''رسالہ

آغازِ اسلام'' ہے، جس کے مصنف مولانا ابو محمد عبد اللہ انصاری ناظم محکمۂ دینیات مدرسۃ العلوم علی گڑھ ہیں، یہ کتاب ١٣٢٦ھ میں دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

اسی دور کی مشہور و معروف کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' بھی ہے جو مولانا اشرف علی تھانویؒ (١٣٦٢-١٢٨٠ھ) کی تصنیف کردہ ہے، علمی اور مستند ہونے کے لئے مولانا کا نام کافی ہے، نبیؐ کی محبت اور اتباع کا دل میں شوق ابھارتی ہے، واقعۂ معراج پر بحث نہایت نفیس ہے، اس سلسلہ میں اسرار و حکم خوب بیان کئے گئے ہیں، پہلی دفعہ لکھنؤ سے ١٣٣٣ھ میں شائع ہوئی۔

چودھویں صدی ہجری کے وسط سے پہلے سیرت پر دو عظیم الشان کتابیں تقریباً ایک ساتھ لکھی گئیں، ان دونوں کتابوں کی تصنیف کے اصل محرّک سیرت کے مشہور واعظ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی (١٣٥٤-١٢٧٦ھ) ہیں، ان ہی کی تحریک پر ایک طرف ان کے ہم نام قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے کام کا آغاز کیا جو ''رحمۃ للعلمین'' کی شکل میں تین جلدوں میں انجام پایا، دوسری طرف مولانا شبلی نعمانیؒ (١٣٣٢-١٢٧٤ھ) نے ''سیرت النبیؐ'' کی ابتدا کی، جس کی تکمیل ان کے شاگرد رشید (مولانا پھلواروی کے ہم نام اور ہم وطن ہی) مولانا سید سلیمان ندویؒ (١٣٧٣-١٣٠٢ھ) نے کی۔

''رحمۃ للعلمین'' کے مصنف نے اس کتاب کی تصنیف میں اسلامی کتابوں کے علاوہ دیگر مذاہب کی بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، عیسائیوں اور غیر مسلموں کے اعتراضات اور شبہات کے جواب دیئے گئے ہیں، بعض مباحث دوسری کتبِ سیرت کے مقابلے میں نئے اور اچھوتے ہیں، زبان سادہ و فصیح، اندازِ بیان شُستہ و شگفتہ اور حُبِّ نبویؐ میں رچا بسا اور طرزِ استدلال عام فہم، دلچسپ اور متین ہے۔

عالمِ اسلام کے بلند پایہ عالمِ دین و ممتاز صاحبِ قلم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کا ذکر والہانہ انداز میں کیا ہے، پہلی جلد ١٩٢٠ء میں

شائع ہوئی، ہرسہ جلد کے مجموعی صفحات (۱۲۵۴) ہیں۔

دوسری کتاب سیرت النبیؐ کی پہلی دو جلدیں مولانا شبلی نعمانیؒ کے قلم اعجاز رقم سے تیار ہوئی ہیں جن میں ان کے انتقال کے بعد اضافہ وترمیم اور تیسری جلد سے ساتویں جلد تک تصنیف کا کام مولانا سید سلیمان ندویؒ نے انجام دیا جوان کے طاقتور قلم کا شاہکار کارنامہ ہے۔ یہ کتاب نہایت علمی اور تحقیقی ہے، زبان وبیان حد درجہ معیاری ہے، اس کی ترتیب میں قرآنی آیات اور احادیث سے کافی استفادہ کیا گیا ہے، اس میں مستشرقین کے اعتراضات اور عقلی شبہات کا ازالہ بھی ہے، وسعتِ معلومات میں سیرت کے ساتھ دینیات کی انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ کل عنوانات (۲۱۰۵) اور جملہ صفحات (۴۲۸۰) ہیں، پہلی جلد پہلی دفعہ ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

سیرت کی کتابوں میں ایک اہم کتاب ''اصح السیر'' ہے، پختہ معلومات اور مستند روایات کے اعتبار سے کتاب کا نام نہایت موزوں ہے، محدّثانہ تحقیق وتفتیش اور فقیہانہ شان وبصیرت کی آئینہ دار ہے، غزوات کا حصہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، اہلِ علم کے لئے اس کا مطالعہ علمی وقار میں اضافہ کا باعث ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدینؒ (جن سے راقم الحروف کو صحیح بخاری پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے) صحیح بخاری کے درس میں اکثر اس کتاب کا حوالہ دیتے تھے، مصنف مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ ہیں، ضخامت تقریباً (۵۰۰) صفحات ہے، ۱۳۵۱ھ میں پہلی بار شائع ہوئی۔

اسی طرح کی ایک معتدل، متوازن اور تحقیقی کتاب ''سیرت المصطفیٰ'' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (۱۳۹۴۔۱۳۱۸ھ) کی ہے، یہ تین حصوں میں ہے، جملہ صفحات (۱۵۲۸) ہیں، (بعد میں یہ کتاب دو جلدوں میں بھی شائع ہوئی) غالبًا یہ ۱۳۵۸ھ میں لکھی گئی۔ کتاب کا انداز محدّثانہ اور متکلمانہ ہے۔ سیرت کے جن

مصنفین نے بعض مسائل میں مستشرقین اور یورپ کے فلاسفروں سے مرعوب و خوفزدہ ہوکر ٹھوکریں کھائی ہیں، ان کی طرف مثبت انداز میں توجہ دلا کر صحیح نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے قلم اور فکر کی اصلاح کا پیغام دیا گیا ہے۔ جہاد اور تشبّہ کی حقیقت اور غزوات کے واقعات، تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، سیرت کی جوہر شناس نگاہوں میں اس کتاب کی بڑی عظمت ہے، اس کا مطالعہ یقین میں تازگی، چشم میں کشادگی اور بصیرت میں پختگی عطا کرتا ہے۔

عِلم و فضل کی دنیا میں مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ (۱۳۷۵۔۱۳۱۰ھ) ایک امتیازی حیثیت کے حامل ہیں، ان کے قلم گُہر بار سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ، اربابِ علم و فِکر سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔

سیرت پر ان کی کتاب ''النبی الخاتم'' ہے، جو ان کے رشحاتِ علمیہ کا بہترین شاہکار اور ''دریا بکوزہ'' کا صحیح مصداق ہے، انداز و بیان اور مضامین کی ندرت کے اعتبار سے یہ کتاب سیرت میں بڑی نرالی، البیلی اور اچھوتی ہے۔ اپنی ان حیثیتوں کے لحاظ سے شاید یہ پہلی ہو اور آخری بھی، تصریحات کا کام اشارات و رموز سے لیا گیا ہے، نتائج کی طرف مؤثر انداز میں توجہ دلائی گئی ہے۔ پڑھتے جایئے، جھومتے جایئے اور دل و دماغ کو تازہ کرتے جایئے۔

''النبی الخاتم'' میں تبلیغ اور دعوت الی الحق کے نقطۂ نظر کو زیادہ پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ یہ کتاب شروع سے آخر تک نہایت دلچسپ ہے، لکھنے والے کے اندر عشق کی آگ لگی ہوئی ہے اور اس کے دل کا سوز و گداز چھلکا پڑتا ہے، اس کتاب سے وہ لوگ زیادہ فائدہ اٹھائیں گے اور لطف اندوز ہوں گے جو پہلے سے سیرت کے واقعات سے باخبر ہوں، اور گہری نظر سے دو تین بار اس کتاب کو پڑھیں، یہ کتاب مولانا نے حیدرآباد میں جناب عبدالمجید قریشی کی فرمائش پر ۱۹۳۶ء میں لکھی تھی، کتاب کے

صفحات (۲۰۰) اورعنوانات ساڑھے چار سو کے قریب ہیں، کتاب میں مکّی زندگی اور مدنی زندگی کی دو بڑی تقسیم کی گئی ہے۔

سیرت کی اردو کتابوں میں مولانا عبدالصمد رحمانیؒ (وفات ۱۳۹۳ھ) کی کتاب ''پیغمبرؐ عالم'' بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کی بعثتِ عمومی اور آپؐ کے عالمی دعوت کے فریضہ کونہایت محقّقانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۸۰ھ میں لکھی گئی، صفحات کی تعداد (۶۰۰) کے قریب ہے۔ ہندوستان کے مشہور صاحبِ قلم عالمِ دین مولانا سید محمد میاں صاحبؒ (۱۳۹۵۔۱۳۲۱ھ) کی کتاب ''محمد رسول اللہ'' بھی اپنے موضوع پر بے نظیر ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ (وفات ۱۴۰۲ھ) اپنی مجلس میں اس کتاب کو پڑھا کر سنتے تھے، یہ کتاب (۶۰۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ جناب نعیم صدیقی کی کتاب ''محسنِ انسانیت'' بھی امتیازی شان کی حامل ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے حالاتِ زندگی کو تحریکی اور انقلابی نقطۂ نظر سے پیش کیا گیا ہے۔ آپؐ کو ''انسانِ کامل'' بتا کر اتباع واطاعت کی دعوت دی گئی ہے، مصنف نے اپنی اس کتاب کے بارے میں یہ امید ظاہر کی ہے کہ عزیمت واستقلال کا درس حاصل کیا جائے گا اور مشکل ترین حالات میں ادائے فرض کا حوصلہ پیدا ہوگا۔ اس کے مطالعہ سے اپنے سب سے بڑے محسنؐ کی صحیح قدر دلوں میں پیدا ہوگی، زبان وبیان کی دلکشی اور رعنائی کے لئے نعیم صدیقی کا نام کافی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۵۹ء میں لکھی گئی۔ ساڑھے سات سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

چودھویں صدی ہجری اختتام کو پہنچ رہی تھی اور پندرہویں صدی ہجری کا آغاز ہونے والا تھا، اس مرحلہ پر سیرت کی جو سب سے بہترین کتاب دونوں صدیوں کے لئے تحفہ کے طور پر منظر عام پر آئی وہ ہے ''نبی رحمتؐ''۔ کتاب کے مصنف عالمِ اسلام کے

بلند پایہ، دیدہ ور عالمِ دین مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (پیدائش ۱۹۱۴ء، وفات ۱۹۹۹ء)، ہیں، یہ کتاب دل اور دماغ، قدیم اور جدید دونوں کو متوجہ اور متأثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اس میں نئی نسل کے فہم اور نفسیات کی پوری رعایت ہے، سلجھے ہوئے انداز اور عصری اسلوب میں نبی کریمؐ کی دعوتی، اصلاحی اور قائدانہ زندگی کا پورا خاکہ آ گیا ہے، اعتدال اور توازن، مصنف کے قلم کا لازمی وصف ہے، وہ یہاں پورے طور پر جلوہ گر ہے، ان کی ہر تحریر اور ہر کتاب، دردمندی، دلسوزی، دلکشی اور دل آویزی کی آئینہ دار ہوتی ہے، اس کتاب نے اس خوشگوار روایت کو نہ صرف باقی رکھا ہے بلکہ موضوع کی معنویت سے اسے کچھ آگے بڑھایا ہے، مصنف نے ترتیب میں مشرق و مغرب کے علمی میخانوں سے جام بھرا ہے، جابجا مختلف جغرافیائی نقشے دیئے گئے ہیں جن سے بعض حقیقتوں کو سمجھنے اور تاریخی مقامات کو جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں زمانۂ بعثت سے صلحِ حدیبیہ تک کے واقعات ہیں اور دوسرے حصہ میں سلاطین و امراء کو دعوتِ اسلام سے لے کر آخر تک کے حالات ہیں، یہ کتاب تقریباً (۶۰۰) صفحات پر مشتمل ہے اور اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اس سے فائدہ اٹھائے۔ اس کتاب کا عربی اور انگریزی ایڈیشن بھی طبع ہو چکا ہے۔

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں جو کتابیں سیرت کے موضوع پر عالمِ وجود میں آئیں، ان میں تین کتابیں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں (۱) سیرتِ سرورِ عالمؐ (۲) پیغمبرِ انقلابؐ اور (۳) ہادیٔ عالمؐ، اول الذکر کے مؤلف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (وفات ۱۳۹۹ھ) ہیں، یہ کتاب مولانا نے مستقل طور پر لکھی نہیں ہے بلکہ جناب نعیم صدیقی اور مولانا عبدالوکیل علوی ایم ۔اے نے نہایت محنت و جانفشانی، عرق ریزی اور بالغ نظری سے مولانا مودودی کے ان مضامین اور مباحث کو بڑی خوبی کے ساتھ (مختلف کتابوں اور بالخصوص تفہیم القرآن کی مدد سے) جمع اور مرتب

کیا ہے جن کا تعلق سیرتِ پاکؐ سے ہے، مولانا مودودی کے سامنے جب یہ کام آیا تو وہ خود حیرت زدہ ہو گئے کہ اس عظیم الشان موضوع پر ان کی تحریروں میں اتنا کچھ مواد موجود ہے۔ مرتبین نے اپنے اس کام کو چار جلدوں میں کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے جن میں دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے اس مجموعۂ سیرت کے بارے میں اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ''یہ اگرچہ سیرت پر مستقل کتاب کی ضرورت کو تو پورا نہیں کرتا ہے، لیکن اس میں جو مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں وہ انشاء اللہ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور آپؐ کے کارنامۂ عظیم کو سمجھنے میں کافی مدد دیں گے''، تاہم مطالعہ کرنے والے کو حیرت ہوتی ہے کہ مرتبین کی صلاحیت اور مولانا کے مشورے اور جابجا اضافے نے منتشر مضامین پر مشتمل اس کتاب کو بڑی حد تک ایک مسلسل اور مربوط کتابِ سیرت بنا دیا ہے۔ ہر دو جلد کے الگ الگ صفحات (۷۶۴) ہیں، اس طرح دونوں جلدیں (۱۵۲۸) صفحات پر مشتمل ہیں۔

ثانی الذکر کتاب ''پیغمبرِ انقلاب'' کے مصنف مشہور صاحبِ قلم مولانا وحید الدین خاں ہیں، مولانا کا مطالعہ وسیع، گہرا اور عمیق ہے، واقعات سے نتائج کا اخذ کرنا اور انہیں مؤثر ڈھنگ اور عصری اسلوب میں پیش کرنا ان کی امتیازی شان ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں پیغمبرِ اسلام کو انقلابی اور دعوتی حیثیت سے پیش کیا ہے اور سیرت کے ایسے ہی واقعات کو منتخب کیا ہے جن میں آپؐ کا یہ کردار نمایاں ہے۔ مولانا نے یہ کتاب مستقل طور پر فنِ سیرت کے مروجہ نظام کے مطابق مرتب نہیں کیا ہے بلکہ اپنی ان مختلف اور منتشر تحریروں کو ایک خاص انداز سے جمع کیا ہے جو ان کے ان مقاصد کے لئے مفید تھیں، یہ کتاب چار حصوں پر منقسم ہے، کل عنوانات (۲۰) اور جملہ صفحات (۲۰۸) ہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مصنف کے بعض افکار ونظریات، شیعوں، اسلامی نقطۂ نظر سے بعض قابلِ اعتراض پہلوؤں اور فکری غلطیوں ولغزشوں سے اختلاف کے باوجود اس کتاب کا تعارف ''اعترافِ حقیقت'' کے طور پر کرایا گیا ہے۔اس جزوی اعتراف کا مطلب ان کی شخصیت اور ان کے افکار واعمال سے مکمل اتفاق نہیں ہے۔

تیسری کتاب ''ہادیِ عالمؐ'' کے مصنف مولانا محمد ولی رازیؔ ہیں، رازی صاحب مفتی اعظم مولانا محمد شفیعؒ (پاکستان) کے فرزند اور مشہور صاحبِ قلم وفقیہ مولانا محمد تقی عثمانی کے بھائی ہیں، سیرت کے موضوع پر ان کی یہ کتاب نہ صرف اردو میں بلکہ دوسری زبانوں کے کتبِ سیرت کو شامل کر کے اپنی مثال آپ ہے۔انہوں نے یہ کتاب شروع سے آخر تک غیر منقوط (بغیر نقطہ) لکھی ہے، بڑی خوبی یہ ہے کہ اتنی شدید پابندی کے باوجود عبارت سلیس ہے، ادبی چاشنی بھی موجود ہے۔ (۴۰۸) صفحات پر مشتمل یہ مستقل سیرت کی کتاب ہے، یہ کتاب زبان وبیان پر مصنف کی غیر معمولی قدرت کا اظہار اور اردو ادب کے ذخیرے میں ایک بیش بہا اور نادر اضافہ ہے، اس کتاب سے حضورؐ کی سیرت کا اعجازی پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے کہ آپؐ پر ایسی کتاب دشوار گذار مرحلہ سے آسانی سے گذر کر لکھی گئی ہے، فیضی نے ''سواطع الالہام'' کے نام سے عربی میں غیر منقوط تفسیر لکھی تھی، اس کے بعد سیرت پر ایسی کتاب آنی ہی چاہئے تھی، ہندوستان میں بھی دہلی سے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے جس کی قدر وقیمت اور مصنف کی تعبیری قوت وصلاحیت کا صحیح اندازہ مطالعہ کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

عام ذہن اور طلبہ کی دینی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر جو کتابیں سیرت کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، ان میں رحمتِ عالمؐ (مولانا سید سلیمان ندویؒ)، خاتم الانبیاءؐ

(مولانا مفتی محمد شفیعؒ)، سیرتِ طیبہ (مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ)، سیرتِ رسولِ کریمؐ (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)، مجموعہ سیرتِ رسولؐ (مولانا محمد اسلم قاسمی)، درِ یتیم (مولانا ماہر القادریؒ)، حیاتِ طیبہ (مولانا ابو سلیم عبد الحیؒ)، رسولِ عربی، ہمارے رسولؐ، ہمارے حضورؐ، خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، سیرت سے متعلق مقالات اور خطبات کے مجموعے میں خطباتِ مدراس، خطباتِ ماجدی، رسولِ رحمت، مقالاتِ سیرت، کاروانِ مدینہ اور مردوں کی مسیحائی (دوسرا نام ذکرِ رسولؐ) اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مجموعے علی الترتیب مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، ڈاکٹر محمد آصف قدوائیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے ہیں، سیرت کے موضوع پر ''نبیؐ رحمت'' اور کاروانِ مدینہ کے علاوہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک اور کتاب ہے، جس کا نام ہے'' سیرت رسولِ اکرمؐ'' مولانا عبداللہ عباس ندوی اور مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کے خطباتِ سیرت کا مجموعہ علی الترتیب ''پیغمبرِؐ اخلاق وانسانیت'' اور ''نبی رحمتؐ کا پیامِ رحمت'' کے نام سے ہے، جسے دار العلوم سبیل السّلام حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔

سالِ رواں (جولائی ۲۰۰۳ء) دار العلوم سبیل السلام کی دعوت پر خطباتِ سیرت کے لئے مشہور محقق، مصنف اور سیرت نگار پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) حیدرآباد تشریف لائے تھے، انہوں نے ''مسلم اقلیت کے مسائل اور ان کا حل، سیرت نبویؐ کی روشنی میں'' کے عنوان سے ۵۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل علمی، تحقیقی اور تجزیاتی خطبات پیش کئے، جو عنقریب دار العلوم سبیل السلام کے زیر اہتمام طبع ہو کر منظرِ عام پر آنے والے ہیں۔ ممتاز عالمِ دین اور سیرت نگار، مولانا محمد اسلم قاسمی کے تحریر کردہ خطبات بعنوان ''پیغمبرِؐ اسلام اور اقتصادی نظام'' کو بھی دار العلوم سبیل السلام شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، یہ خطبات بھی اپنے موضوع پر اہم ہیں۔

سیرت کے موضوع پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کی کتاب بھی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں گرانقدر کتابیں سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں۔ اول الذکر مصنّف کی کتاب کا نام ''نقوشِ سیرت'' ہے اور ثانی الذکر سیرت نگار کی کتاب کا نام ''اسوۂ حسنہ کے آئینہ میں'' ہے۔

عربی سے اردو میں جو سیرت کی کتابیں منتقل ہوئی ہیں ان میں سیرت ابن ہشام کامل (مطبوعہ دہلی) سیرت سید الانبیاء، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ، زاد المعاد، مدارج النبوۃ بہت ہی اہم ہیں، نبوت کی حکمت اور فلسفہ پر مولانا قاری محمد طیبؒ کی کتاب آفتابِ نبوت، شانِ رسالت اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کتاب ''منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین'' سرمۂ بصیرت ہیں۔ پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی کی ضخیم کتاب ''تنظیمِ ریاست وحکومت عہد نبویؐ میں'' اپنے موضوع پر نہایت تحقیقی اور تفصیلی ہے۔ سیرت کے مطالعہ کنندگان کے لئے یہ کتاب معلومات کا ایک عظیم دفتر کھولتی ہے ـــــ یوں تو اردو کے بہت سے رسائل و جرائد نے نبی کریم ﷺ سے متعلق اپنے خصوصی نمبر نکالے ہیں۔ لیکن واقعہ ہے کہ ''نقوش'' کے رسولؐ نمبر (متعدد ضخیم جلدیں) کو ان سب میں تفوق، برتری اور امتیاز حاصل ہے۔ مرتبین نے اس سلسلہ میں اپنی جستجو کی مختلف جہتیں سامنے لائی ہیں۔ حسنِ ترتیب اور مضامین سیرت کے احاطہ میں حوصلہ اور کمال دکھایا ہے۔ بلاشبہ ان کا یہ عمل قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہے۔

پیغمبرِ عالم ﷺ کی سیرت پر اردو میں کتابوں کا یہ اجمالی تذکرہ ہے، اس میں ضخامت کے اعتبار سے چھوٹی بڑی ہر طرح کی کتابیں ہیں۔ صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے کسی صاحبِ علم اور باخبر عالمِ دین کی نگرانی میں ترتیب وار مطالعہ سے بڑا نفع ہوگا، اس نفع کا اہم ترین پہلو یہ سامنے آئے گا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی معرفت حاصل

ہوگی، اور یہ اصول ہے کہ صحیح معرفت، سچی محبت پیدا کرتی ہے، اور معرفت جتنی قوی ہوتی ہے، محبت اسی قدر شدید ہوتی ہے۔ شاعر کی یہ بات کس قدر حقیقت پسندانہ ہے:

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

یہ صورت حال بھی نہایت افسوسناک ہے کہ آج مسلمانوں کی نئی نسل عام طور پر نبی کریم ﷺ کی سیرت سے ناآشنا ہے، اور اس معاملہ میں یہ شعر اس پر صادق آتا ہے:

باہمہ ذوقِ آگہی ہائے رے پستیِ بشر
سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام جائز حدود میں رہتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو تعلیمی ومعاشی اور دنیوی ترقیوں کی سمت قدم آگے بڑھاتے رہنے کی نہ صرف زبانی طور پر تلقین کرتا ہے، بلکہ عملی حیثیت سے راہیں بتاتا اور دست وبازو کو قوتِ پرواز عطا کرتا ہے، مگر یہ بھی کہتا ہے کہ تم اپنے دین، خدا اور نبیؐ سے وابستہ رہو، مسلمان ہونے کے لئے جن بنیادی باتوں کی ضرورت ہے، ان سے آگاہ اور آشنا رہو، شجر سے وابستہ رہنے ہی پر امیدِ بہار رکھی جاسکتی ہے۔

جہاں تک تعلق نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اور حیاتِ طیبہ کا ہے، تو طبرانی کی ایک حدیث:

"اَدِّبُوا اَولَادَکُمْ عَلیٰ ثَلَاثِ خِصَالٍ : حُبِّ نَبِیِّکُمْ، وَ حُبِّ اٰلِ نَبِیِّهٖ، وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، فَاِنَّ حَمَلَةَ الْقُرْاٰنِ فِیْ ظِلِّ عَرْشِ اللّٰهِ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّاظِلُّهٗ مَعَ اَنْبِیَائِهٖ وَاَصْفِیَائِهٖ۔ ________"

سے واضح طور پر یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ والدین اور سرپرستوں کو چاہئے کہ وہ بچوں کو ابتدائی اور بنیادی طور پر تین باتوں کی تعلیم دیں (۱) نبیؐ کی محبت (۲) آل بیتؓ

کی محبت (وسیع تر معنی و مفہوم میں جس کی وجہ سے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ صحابۂ کرام اور صالحین بھی شامل ہوجاتے ہیں) اور (۳) تلاوتِ قرآن کا جذبہ وشوق۔ اس تعلیم کا اثر یہ ہوگا کہ جب بچہ بڑا ہوگا تو زندگی کے کسی مرحلہ میں کوئی نظریہ اور کوئی شخص اس کا ''ذہنی اغوا'' نہیں کرسکتا۔

سب جانتے ہیں کہ طوفان سے وہی گھر اور درخت متاثر ہوتا ہے جس کی بنیاد اور جڑ مضبوط اور مستحکم نہیں ہوتی، اگر بچوں کی اٹھان اور نشو ونما اسلامی خطوط اور دینی بنیادوں پر ہو تو اسلام، دین اور سیرتِ نبویؐ سے متعلق ہر ضروری سوال کا جواب وہ اپنی طفلانہ زندگی اور بزرگانہ دور، دونوں میں آسانی کے ساتھ دے سکتے ہیں، اس کے لئے توجہ، دلچسپی اور فکر واہتمام کی ضرورت ہے۔

بہرحال نبی کریم ﷺ کی سیرت پر جو کتابیں ہیں ان کتابوں کے مطالعہ سے اپنے عقیدہ میں مضبوطی، سیرت میں پختگی اور کردار میں بلندی لانی چاہئے، دوسری طرف اس حقیقت پر بھی ہماری نظر رہے کہ سیرتِ نبویؐ پر لکھی جانے والی تمام کتابیں قرآنی اعلان ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کردیا) کی تائید کرتی رہیں گی اور یہ منظر ہماری نگاہوں کے سامنے لاتی رہیں گی:

عرش سے لے کر فرش تک گونج رہا ہے تیرا نام
تیری لحد پہ رات دن زمزمہ ہائے السّلام

۳؍رجب ۱۴۲۴ھ
مطابق یکم ستمبر ۲۰۰۳ء

محمد رضوان القاسمی
ناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

اِس کتاب سے!

"سیرۃُ النبیؐ کا اوّلین مصدر، سب سے زیادہ معتبر اور قابلِ عظمت قرآنِ کریم ہے جس میں بعثتِ نبویؐ سے پہلے نہ صرف عرب بلکہ بنی نوعِ آدمؑ کے ادوار و اطوار کا بھی ذکر ہے، بعثتِ نبویؐ کے بعد دعوتِ اسلامی کے جملہ مراحل، غزوات اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت، آدابِ معاشرت، آدابِ دین اور آدابِ اخلاق موجود ہیں۔ اس کو سمجھنے اور اس سے سبق لینے کے لیے تفاسیر کا ذخیرہ ہمارے سامنے ہے جن میں شانِ نزول کی تفصیل ہے اور جو قرآنِ کریم کے مختصر مگر بلیغ آیات کا مفہوم واضح کرتے ہیں اور وہی سیرتِ نبویّہ کا دوسرا مأخذ و مصدر ہے۔ اور اسی سے سیرتِ نبویّہ کی تمام جزئیات معلوم ہوتی ہیں جس میں ان امور کی تفصیل ہے جن کو قرآنِ کریم نے ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔"

مولانا عبداللہ عباس ندوی